محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

چاند کی لاش

دو باتیں

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! یہ چاند کی لاش ہے، وصول فرمایئے، گو چاند کی لاش وصول فرمانا کوئی خوش گوار بات نہیں، لیکن ناول کی حیثیت سے ضرور آپ اسے پا کر خوش ہوئے ہوں گے۔ ہے نا عجیب بات، یعنی اب آپ ایسی چیز سے بھی خوشی محسوس کر سکتے ہیں، یہ آپ نے شاید کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا... خیر کوئی بات نہیں... آپ اب سوچ لیں... سوچنے کو آپ کچھ بھی سوچ سکتے ہیں... کوئی پابندی نہیں... بلکہ دیکھا جائے تو آج کل تو سوچنے کے لیے اتنا کچھ ہے کہ آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ وہ کیا کیا سوچے... بلکہ کیا سوچے اور کیا نہ سوچے... گویا کچھ بھی سوچنے کے قابل نہیں رہ جاتا... لہٰذا یہ بڑی بات نہیں آپ نے یہ بات بھی سوچی بھی نہیں ہوگی کہ چاند کی لاش ملنے پر آپ خوشی کا اظہار بھی کر سکتے ہیں۔

چاند کی لاش آپ کو کیسی لگتی ہے... کچھ کہہ نہیں سکتا... ویسے اس ناول کا دوسرا نام چھپا رستم ہو سکتا تھا مگر کیا کیا جائے اس بات کو کہ مدت ہوئی... یعنی آج سے چالیس سال پہلے چھپا رستم نام کا ایک ناول فیروزسنز کو لکھ کر دے دیا تھا اور وہ انھوں نے شائع بھی کر دیا تھا، بس اس وقت سے گویا یہ نام رکھنے پر پابندی ہے... یوں تو ایسے ساڑھے سات سو نام گنوائے جا سکتے ہیں جو میں اب کسی ناول کے بھی نہیں رکھ سکتا... پیچھے میں

بھی کہاں کا کہاں پہنچ گیا... ان دو باتوں میں یہ بات بہت بڑی ہے... انسان کو کہیں کا کہیں لے جاتی ہیں... یعنی میں لکھ کچھ رہا تھا کہ یہ باتیں لے بیٹھیں اور اس طرح میں ان کے جال میں پھنس گیا... خیر چھوڑیں... اپنی بات کر لیتے ہیں۔

ہاں تو میں بات کر رہا تھا، چاند کی لاش کی... کہنے کو یہ لاش بہت پرانی تھی، لیکن آپ کو نئی لگے گی... لاش اگر نئی لگنے لگے تو باقی کیا رہ جائے گا، پرانا لگنے کے لیے... جی ہاں اور کیا... لاش بے چاری تو فوراً ہی پرانی لگنے لگ جاتی ہے... ادھر آدمی کی روح نکلی... ادھر وہ لاش میں تبدیل ہوا... اور ادھر وہ لاش میں تبدیل ہوا... ادھر وہ پرانی لگنے لگی... اور پھر گزرنے والا لمحہ اس کے پرانے پن میں اضافہ کرتا چلا جاتا ہے... بلکہ چند گھنٹوں بعد تو وہ اس قدر پرانی لگنے لگتی ہے کہ سب کہنے لگتے ہیں، اب اسے لے چلو... ورنہ یہ اور پرانی ہو جائے گی۔

حد ہوگئی... میں پھر کسی اور سمت میں نکل گیا... لیکن اس میں قصور میرا نہیں... یہ سارا قصور تو بس لاش کا ہے... اور جب بات ہو چاند کی لاش کی تو پھر کیا ہی کہنے۔

یہ ناول لکھنے بیٹھا تو پروگرام کچھ اور تھا... ناول کو میں اپنے ڈھب پر لے جانا چاہتا تھا... لیکن اس نے بے ڈھب راستہ اختیار کر لیا، اب یہ اور بات ہے کہ میری مرضی کے خلاف اس نے جب یہ اندھا راستہ اختیار کر لیا تو میں بھی محسوس کرنے لگا... جس راستے پر میں اس ناول کو ڈال رہا تھا... اس سے تو پھر یہ راستہ ہی بہتر ہے۔

ویسے یہ ناول شروع سے ہی آپ کو حد درجے عجیب بلکہ عجیب

ترین لگے گا... ایک بالکل عام سے انداز میں شروع ہونے والا ناول جس کا کوئی سر پیر بھی نہ ہو... آخر کیا صورت اختیار کر گیا اور اس کے ساتھ ساتھ آپ کی دلچسپی حیرت انگیز رفتار سے بڑھ جائے گی۔

اس مرتبہ فرزانہ کی بجائے فاروق کی تدبیر پر عمل کیا گیا، ورنہ حالات کیا سے کیا ہوتے... آپ کو وہ لمحات ضرور پسند آئیں گے... ان سب باتوں کے علاوہ... مجرم سات پردوں میں چھپا ہوا تھا... اور جب کچھ نہ ہو سکا... مجرم کی نشان دہی کسی طرح نہ ہو سکی... مجرم نے جب اپنے تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیے... اس وقت تک آ کر انسپکٹر جمشید نے محمود، فاروق اور فرزانہ سے کیا کہا... یہ آپ ناول پڑھ کر ہی جان سکیں گے۔

میں ناول کے بارے میں کچھ زیادہ ہی لکھ گیا... حالانکہ یہ میری عادت نہیں... میں تو عام طور پر دو باتیں میں ناول کے بارے میں صرف یہ کہہ کر جان چھڑا لیتا ہوں کہ چھوڑیں... ناول تو آپ پڑھ ہی لیں گے اور یہ فیصلہ کرنا بھی آپ کا کام ہے کہ ناول کیسا تھا... پسند آیا... یا پسند نہیں آیا وغیرہ۔

میں تو عام طور پر آپ سے آپس کی باتیں کرنے کا قائل ہوں...

جی ہاں اور کیا... یہی تو وہ ذریعہ ہے جس کے ذریعے ہم آپس میں باتیں کر لیتے ہیں... اسی لیے تو پیش لفظ کا ہمارے ہاں نام دو باتیں ہے... دو باتیں پر بات آ گئی... شروع شروع میں جب میں نے اپنی کتابوں پر پیش لفظ یا گزارش کے بعد دو باتیں لکھنا شروع کیا تو یہ بات بھی کو عجیب لگی تھی کہ یہ کیا نام ہوا... عام طور پر تو اس جگہ پیش لفظ لکھا جاتا ہے... کچھ لوگ اسے

دیباچہ کا نام دے دیتے ہیں... کچھ احوال واقعی لکھتے ہیں، لیکن اس سلسلے کا نام کسی نے آج تک دو باتیں نہیں لکھا... پھر یہ دو باتیں اس قدر مشہور ہوئیں کہ لوگوں نے اپنی کتابوں اور رسائل کے دیباچوں کی جگہ ملتے جلتے نام رکھنے شروع کر دیے... کوئی اپنی بات لکھنے لگا تو کوئی چند باتیں... ایک نے ایک بات بھی لکھ دیا... پھر کوئی اچھی باتیں لکھنے لگا تو کوئی ابتدائی باتیں... غرض پیش لفظ کی جگہ دو باتیں نے اس طرح لی کہ ان دو باتیں کو سو باتیں بنا لیا گیا۔

اوہو... یہ کیا... اب میں دو باتیں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گیا... یہ کوئی تک... جی نہیں... بالکل کوئی تک نہیں ہے... لیکن پھر بھی میں جانتا ہوں، آپ انہیں پڑھیں گے۔

چلیے اب ایک آدھ بات کام کی بھی ہو جائے... یہ سب تو بے کار کی باتیں تھیں... بے کام باتیں تھیں... چلیے کام والی باتیں سن لیں... [illegible] کی جد و جہد کو سلام کرنے کو جی چاہتا ہے... جن حالات میں انہوں نے ناول چھاپنے کا پروگرام بنایا، ان دنوں حالات بہت زیادہ ناساز گار تھے... اس قدر ناساز گار کہ میں نے انہیں روکا تھا کہ یہ کام نہ کریں... اس کام کے بارے میں جتنا میں جانتا ہوں، آپ نہیں جانتے... لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی اور یہ کام شروع کر کے رہے... یقین جانیے... پورے سات سال ان صاحب نے بہت زیادہ مشکلات میں گزارے... یعنی ناول شروع کرنے کے حالات نہیں تھے... لیکن یہ صاحب ڈٹے رہے... اور آخر سات سال بعد اب سے دو سال پہلے آخر انہوں نے کامیابی حاصل کر لی... اب یہ خود کہنے لگے ہیں کہ ماشاء اللہ ان کا سلسلہ

بہت کامیاب ہو رہا ہے... اللہ کرے یہ سلسلہ مزید کامیابی حاصل کرے ... قارئین کی تعداد اور بڑھے ... آمین۔

آج میں آپ کا بہت زیادہ وقت لے گیا... ایک دو صفحے کی دو باتیں پانچ چھ صفحے پر چلی گئیں... اس میں بھی میرا کوئی قصور نہیں... یہ فرمائش بھی فاروق احمد صاحب کی تھی... کہہ رہے تھے آپ کے پرانے ناولوں کی لمبی چوڑی دو باتیں پڑھ کر دل میں خواہش ابھرتی ہے کہ آپ کل کے یعنی اٹلانٹس سے شائع ہونے والے ناولوں کی دو باتیں بھی اتنی ہی طویل لکھا کریں... اس بات کے جواب میں، میں نے ان سے کہا کہ طویل دو باتیں خاص نمبروں کی ہوا کرتی تھیں، جتنا طویل خاص نمبر ہوتا تھا، اتنی ہی طویل اس کی دو باتیں ہوتی تھیں... یہ نہیں کہ سو صفحے کا ناول ہو اور دو باتیں ہوں چار پانچ صفحے کی ... جی نہیں، آپ پرانے ناول کھول کر دیکھ لیں۔ 2000,1600,1400,1000,900,800 صفحات والے ناولوں کی دو باتیں حد درجے طویل نظر آئیں گی...

اس کے باوجود میں نے ان کی فرمائش پر یہ دو باتیں طویل لکھ ہی ماریں کہ درویش کی صدا بھی ہے... ایک تو یہ درویش درمیان میں آ ٹپکا ہے، اس سے جان چھڑانے کے لیے آپ سے اجازت ہی لینا پڑے گی... ورنہ یہ تو پیچھے پڑ جائے گا ہاتھ دھو کر... اور میرا خیال ہے کہ آپ اس بات کو کسی صورت پسند نہیں کریں گے... لہٰذا شکریہ اور اجازت... زندگی رہی تو آئندہ ناول **جیرال نمبر تین** کی دو باتیں میں پھر ملاقات ہوگی۔

شامت

"شاہ! یہ تمہاری پنسل ... تیسری بار تمہارے ہاتھ سے گری ہے۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

شاہ اور وہ ایک ہی ڈیسک پر بیٹھتی تھیں... آج تک لکھتے وقت پنسل اس کے ہاتھ سے نہیں گری تھی۔ چند منٹ بعد پہلے پنسل اس کے ہاتھ سے گری تو فرزانہ نے فوراً اٹھا کر اسے دے دی ... لیکن دو منٹ بعد ہی پنسل پھر اس کے ہاتھ سے گر گئی... اس وقت بھی فرزانہ نے کوئی خیال نہ کیا ... لیکن جب تیسری بار پنسل گری تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔

"وہ ... تن ... نہیں کوئی بات نہیں... بس یونہی بے خیالی میں گر گئی۔"

فرزانہ نے نظر بھر کر اسے دیکھا... آج ان کی اس پیریڈ کی ٹیچر نہیں آئی تھی اور کلاس کی لڑکیاں اپنا اپنا کام خود کر رہی

تھیں... کلاس میں ایسی خاموشی اور نظم و ضبط تھا ... گویا ٹیچر موجود ہوں... اور یہ ان کی ٹیچر کی تربیت کا اثر تھا۔ انہوں نے بہت ہی محبت بھرے انداز میں کلاس کو تربیت دی تھی ... اور ان کی تربیت کا یہ اثر زبردست تھا کہ وہ کلاس میں نہیں تھیں مگر پھر بھی پوری کلاس اس طرح باادب انداز میں اپنا کام کر رہی تھی جیسے وہ کلاس میں موجود ہوں... جب کہ ایسا بہت ہی کم دیکھنے میں آتا ہے:

"ثنا! یہ نہیں ہو سکتا ..." فرزانہ نے دبی آواز میں کہا... جیسے اسے ڈر تھا کہ آواز اونچی ہو گئی تو ٹیچر کے کانوں تک پہنچ جائے گی

"کک... کیا نہیں ہو سکتا۔"

"یہ کہ کوئی بات نہ ہو ... پھر پنسل کیوں بار بار گر رہی ہے ... پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"ہاں! شاید میں پریشان ہوں۔"

"شش شاید نہیں... یقیناً۔" فرزانہ مسکرائی۔

"شکریہ فرزانہ ... تم بہت اچھی ہو۔"

"لیکن یہ تو میرے سوال کا جواب نہیں۔" فرزانہ مسکرائی۔

"اور تمہارا سوال کیا ہے۔"

"یہ کہ تم کیوں پریشان ہو۔"

"مجھے افسوس ہے... میں تمہیں بتا نہیں سکتی فرزانہ۔" اس نے قدرے گھبرا کر کہا۔

"لیکن کیوں... تم میری کلاس فیلو ہو ... اپنی پریشانی مجھے کیوں نہیں بتا سکتیں۔"

"م... مجھے بتاتے ہوئے شرم آئے گی۔"

"اور میرے خیال میں تو شرم نہیں آنی چاہیے ... تم میری کلاس فیلو نہیں ہو، میری سہیلی بھی ہو ..."

"اگر تم کہتی ہو تو میں بتا دیتی ہوں... ایک سال پہلے میری والدہ نے میری بڑی بہن کی شادی کے لیے ایک ادارے سے پچاس ہزار روپے قرض لیے تھے۔ وہ اب تک ادا نہیں کیے جا سکے... رقم کا مالک کئی بار آ چکا ہے ... تین دن پہلے بھی وہ آیا تھا... اور اس نے کہا تھا، میں تین دن بعد آؤں گا... اگر رقم نہ ملی تو ہم مکان پر قبضہ کر لیں گے..."

"اوہ! پھر؟"

"اس کے تین دن آج پورے ہو رہے ہیں اور امی ابھی تک رقم کا بندوبست نہیں کر سکیں۔"

"لیکن وہ بھلا مکان پر کیسے قبضہ کریں گے۔"

"ان کا کہنا ہے کہ وہ چند غنڈوں کو ساتھ لائیں گے... وہ ہمارا سارا سامان اٹھا کر باہر پھینک دیں گے اور مکان ایک ایسے شخص کے حوالے کر دیں گے جو انہیں پچاس ہزار روپے دے گا... اس کے بعد وہ اس سے مکان کا کرایہ لیتے رہیں گے۔"

"پچاس ہزار کے لیے وہ کسی کا مکان نہیں چھین سکتے... خیر میں چلوں گی تمہارے ساتھ۔"

"لیکن فرزانہ... کیا تمہارے پاس پچاس ہزار روپے ہیں۔"

"میں اپنے انکل خان رحمان کو فون کروں گی... وہ لے کر آجائیں گے... تم فکر نہ کرو... پھر جب تمہاری والدہ رقم کا انتظام کر لیں گی، وہ ہمارے انکل کو ادا کر دیں گی۔ تم فکر نہ کرو... انکل خان رحمان کوئی غریب آدمی نہیں ہیں... نہ کوئی ملازم پیشہ ہیں... وہ ریٹائرڈ فوجی ہیں، ایک تو انہیں حکومت کی طرف سے بہت سی زمین ملی ہوئی ہے... دوسرے یہ کہ وہ سونے کی کانوں کے مالک ہیں اور یہ کاروبار انہیں والد کی طرف سے ورثے میں ملا ہے۔"

"کک... کیا کہا... سس... سونے کی کانوں کے مالک۔" مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا۔

ہاں جی... تم فکر نہ کرو، چھٹی ہونے پر میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔ ساتھ میں انکل خان رحمان بھی آجائیں گے۔"

"کک... کیا واقعی... اس قدر آسانی سے یہ مسئلہ حل ہو جائے گا... مجھے یقین نہیں آرہا... بلکہ میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

"یقین اس لیے نہیں آرہا کہ تمہارے نزدیک یہ بہت بڑی رقم ہے... لیکن دنیا میں ایسے نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے جن کے نزدیک پچاس ہزار کی کوئی اہمیت نہیں۔"

"ہوں! یہ بات تو خیر تم ٹھیک کہتی ہو... لیکن تمہارے انکل کیا سوچیں گے بھلا۔"

"وہ کوئی ایسی ویسی بات سوچنے کے عادی نہیں... میں بتا چکی ہوں... ان کے پاس دولت کی کمی نہیں... اور وہ کنجوس بھی نہیں ہیں... دوسروں کی مدد کر کے خوش ہوتے ہیں... لہٰذا تم پریشان نہ ہو... اور میں تمہیں یہ بھی بتاتی چلوں... میرے والد بھی غریب آدمی نہیں ہیں... اگر میں انہیں یہ بات بتادوں تو وہ بھی پچاس ہزار روپے ادا کر دیں گے... لیکن انکل خان رحمان زیادہ آسانی سے ایسا کر سکیں گے... پہلے تم بتاؤ... وہ لوگ رقم لینے کے لیے آئیں گے کس وقت۔"

"شام پانچ بجے۔"

"پھر تو ہمارے پاس بہت وقت ہے... ہم اسکول سے فارغ ہو کر پہلے امی کی طرف چلیں گے۔ تمہارے امی کے پاس موبائل فون تو ہے نا۔"

"ہاں ہے۔"

"بس! ہم انہیں بتا دیں گے کہ تم اسکول سے فارغ ہونے کے بعد میرے ساتھ ایک جگہ جا رہی ہو... میں خود ان سے بات کر لوں گی... وہ مجھے جانتی ہی ہیں... لہٰذا کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔"

"فرزانہ۔" ثناء نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کہو!"

"تم کتنی اچھی ہو۔"

اور فرزانہ نے فوراً اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا:

"اس کی ضرورت نہیں۔"

ثناء کی آنکھوں میں آنسو آ گئے... اسکول سے فارغ ہونے کے بعد وہ باہر نکلیں... عین اسی لمحے فرزانہ کے موبائل فون کی گھنٹی بجی... فون اس کے والد کا تھا۔ اسے قدرے حیرت ہوئی، کیونکہ ٹھیک اس وقت جب وہ اسکول سے نکلتی تھی... وہ اسے لینے کے لیے آ جاتے

تھے... لیکن آج ان کا فون آیا تھا:

"السلام علیکم ابا جان۔"

"دفتر میں کچھ مصروفیت ہے، تم رکشہ پکڑ کر چلی جاؤ۔"

"اس سے پہلے مجھے اپنی سہیلی ثناء کے ساتھ انکل خان رحمان کے گھر جانا پڑ گیا ہے۔"

"خیریت..." دوسری طرف سے کہا گیا۔

"جی خیریت ہے... پریشانی والی کوئی بات نہیں... میری سہیلی کو ان سے کچھ کام ہے بس۔"

"اچھی بات ہے، تم پہلے ادھر چلی جاؤ، پھر گھر آ جانا۔"

"جی نہیں۔" اس نے فوراً کہا۔

"کیا کہا... جی نہیں۔"

"جی ہاں۔" وہ مسکرائی۔

"کیا ہو گیا ہے فرزانہ... کبھی کہہ رہی ہو جی ہاں... کبھی کہہ رہی ہو جی نہیں۔"

"انکل کو ساتھ لے کر مجھے ثناء کے گھر بھی جانا ہے... اس کے بعد میں گھر آ جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے..." یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔

"آؤ شاہ چلیں۔"

ایک رکشہ پکڑ کر وہ دونوں خان رحمان کے گھر پہنچیں۔ فرزانہ نے دستک دی تو فوراً دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ دونوں گھبرا گئیں کہ نہ جانے کیا گڑبڑ ہے... پھر دروازہ زوردار آواز سے کھلا اور ظہور کی دھواں دھواں صورت نظر آئی:

"خیر تو ہے انکل۔"

"جی ہاں۔" اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا۔

"جی ہاں... یہ کیا بات ہے۔"

"جی... خیریت نہیں ہے ... ارے فرزانہ بی بی! یہ آپ ہیں... میں نے ابھی دیکھا ہے۔"

"شکر ہے انکل! آپ نے دیکھ تو لیا۔"

"لیکن آپ غلط وقت ..."

ظہور کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... کیونکہ اسی وقت اندر سے پھر دوڑتے قدموں کی آواز آنے لگی تھی... کوئی خوفناک انداز میں باہر کی طرف آ رہا تھا۔ ظہور کے منہ سے مارے خوف کے چیخ نکل گئی... وہ فوراً دوڑ کر باہر نکلا... کوٹھی کے بیرونی حصے میں باغ میں گھس گیا... اور فوراً ہی ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فرزانہ نے ایک نظر شاہ پر ڈالی ... اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت نظر آ رہی تھی ... پھر خان رحمان نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں ایک موٹا سا ڈنڈا تھا... ان کا چہرہ مارے غصے کے سرخ تھا... وہ کہہ رہے تھے:

"نہیں چھوڑوں گا ... بس آج نہیں چھوڑوں گا۔"

یہ کہتے ہوئے وہ دروازے تک آ گئے:

"لیکن کے انکل!" اسی وقت فرزانہ بول پڑی اور کافی بلند آواز میں بولی تھی۔ خان رحمان کے بدن کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔

ساتھ ہی اندر سے پھر دوڑتے قدموں کی آواز سنائی دی۔ انہوں نے دیکھا... بیگم خان رحمان، حامد، سرور، ناز اور سلمیٰ بیگم بدحواسی کے عالم میں دوڑے چلے آ رہے تھے۔

ادھر فرزانہ کی آواز سنتے ہی اور جھٹکا کھاتے ہی خان رحمان کا جسم یک دم ساکت ہو گیا تھا... جیسے کوئی جادوئی دیس میں پیچھے مڑ کر دیکھنے سے پتھر کا بن گیا ہو:

"کیا ہوا انکل۔"

"جی نہیں... آج کے دن نہیں۔"

"آج کے دن نہیں... کیا مطلب، کیا آج کے دن نہیں۔"

مارے حیرت کے فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

"یہ کہ آج کے دن میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا ... آج یہ میرے ہاتھ سے پٹ کر رہے گا۔"

"میں سمجھ گئی انکل ... فرزانہ مسکرائی۔ اب وہ پوری طرح خان رحمان کے بالکل سامنے کھڑی تھی... تاکہ وہ کہیں کترا کر باغ کی طرف دوڑ نہ لگا دیں... اس صورت میں بے چارے ظہور کی شامت آسکتی تھی۔

"اور تم کیا سمجھ گئیں... خیر جو سمجھ گئیں... ذرا مجھے بھی سمجھا دو ... اور ذرا جلدی سے سمجھا دو، کہیں ظہور کسی درخت پر نہ چڑھ جائے۔"

"لیکن آپ کو بھی تو درخت پر چڑھنا آتا ہے۔"

"میں اس کی مرمت کرنے کے لیے اتنی محنت نہیں کرنا چاہتا۔"

"خیر سنیں... آج ضرور اس نے آپ کی پسندیدہ ہانڈی جلا دی ہے۔"

"اوہو ... یہی تو بات نہیں ہے ... ورنہ بات صرف کان پکڑنے پر ختم ہو جاتی۔"

"تو کیا ظہور انکل کی بیگم نے سوٹ جلا دیا ہے۔"

"نہیں۔ سوٹ بھی نہیں جلا ... ویسے ذرا تم الٹ کہہ گئیں... ہانڈی اب ظہور نہیں... سلمیٰ پکاتی ہے ... اور سوٹ ظہور استری کرتا ہے۔"

"اوہ ہم... مجھے یاد نہیں رہا تھا۔"

"معاف کیا ... انکل کیا... لیکن ظہور کو پھر بھی نہیں چھوڑوں گا۔"

"پہلے یہ تو بتائیں... اس نے کیا کیا ہے۔"

"کم بخت... نل کھلا چھوڑ دیتا ہے ... پانی ضائع ہوتا رہتا ہے ... کمرے میں کوئی نہ ہو اور پنکھا چل رہا ہو تو بند نہیں کرتا... اسی طرح بلب بھی نہیں بجھاتا... اس طرح بجلی کا بل زیادہ آتا ہے ... اسے بار بار کہہ چکا ہوں... لیکن اس کی عقل میں یہ بات نہیں آتی۔"

"لیکن آج تو... چند سو روپے ہی تو زیادہ بل آیا ہے۔"

پیچھے سے حامد کی آواز سنائی دی۔

"تم چپ رہو... " وہ دھاڑے ... حامد سہم گیا۔

"خیر انکل! ہم اسے سمجھاتے ہیں... کم از کم آج تو آپ کو ضرور معاف کرنا پڑے گا ... کیونکہ"

"کیونکہ کیا؟" انہوں نے بڑا سا منہ بنایا۔

"کیونکہ... دیکھیے... آج میرے ساتھ کون ہیں... کم از کم ان کا تو خیال کریجیے۔"

اب انہوں نے شاہ کی طرف دیکھا... ادھر شاہ کا مارے پریشانی کے بڑا حال تھا... وہ سوچ رہی تھی کہ جو شخص چند سو روپے کے نقصان کے لیے ملازم پر ڈنڈے برساتا ہے وہ انہیں پچاس ہزار کس طرح دے گا بھلا۔" اس نے سنا، وہ کہہ رہے تھے:

"یہ... یہ کون ہیں... ہائیں... تمہارے ساتھ محمود اور فاروق کیوں نہیں ہیں۔"

"میں اپنے اسکول سے سیدھی ادھر آرہی ہوں اور آپ سے بہت ضروری کام کے سلسلے میں آئی ہوں... یہ میری کلاس فیلو شاہ ہے... سوچے گی کہ آپ نے اس کا بھی لحاظ نہیں کیا... حالانکہ یہ پہلی مرتبہ یہاں آئی ہیں۔"

"اوہ... نن نہیں... میں نے اس بچی کو دیکھا نہیں تھا... یہ لو... میں نے ڈنڈا پھینک دیا... فرزانہ اب تم ظہور کو بتا سکتی ہو... کہ وہ بال بال بچ گیا۔"

"شکریہ انکل... انکل ظہور کہاں ہیں آپ... آپ نے

انکل کی بات سنی۔"

"بالکل سنی... کیونکہ ان کی بات نہیں سنوں گا تو کس کی سنوں گا۔"

"بس رہنے دو اور جلدی سے ان کے لیے چائے بناؤ۔" خان رحمان نے آواز لگائی... لیکن ظہور پھر بھی سامنے نہ آیا... شاید وہ بچ بچ درخت پر جا چڑھا تھا۔ یا شاید کہیں دور جا کر چھپ گیا تھا۔

اور پھر وہ اندر داخل ہوئے۔ اسی لمحے خان رحمان کی نظر شاہ پر پڑی... انہوں نے جلدی سے کہا:

"فرزانہ... تمہاری سہیلی کا رنگ اڑا اڑا ہے... کیا بات ہے... خیر تو ہے۔"

اب فرزانہ نے شاہ کی طرف دیکھا... شاہ کے چہرے پر واقعی بدحواسی کا راج تھا:

☆☆☆☆☆

نیا مکان

"کیا ہوا ثنا خیر تو ہے۔"

"وہ ہم... میرا مطلب ہے... فرزانہ تم کو اپنے انکل سے وہ بات سن... تمہیں کہنی چاہیے جو ہم کہنے کے لیے آئے ہیں۔"

"وہ کیوں..." فرزانہ حیرت زدہ رہ گئی۔

"وہ... اب میں... کیا بتاؤں۔"

"اوہ اچھا میں سمجھ گئی..." فرزانہ مسکرا دی... پھر بولی:

"یہ ہمارے انکل... تم فکر نہ کرو... بہت ہی عجیب ہیں..."

یہ کہہ کر فرزانہ خان رحمان کی طرف مڑی۔

"بات دراصل یہ ہے انکل... کہ میری سہیلی آپ کو کنجوس خیال کر بیٹھی ہے۔"

"بالکل ٹھیک ہے... میں کیا کہا... کنجوس اور میں..."

خان رحمان دھک سے رہ گئے۔

"ظہور والی بات کی وجہ سے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"میں سمجھ گیا... لیکن یہ بات کنجوسی کی نہیں... بیکار خرچ کی ہے... اب جس کمرے میں کوئی نہ ہو... اس کا پنکھا یا بلب کیوں جلا رہے... پانی کی ضرورت نہیں تو نل کیوں کھلا رہے۔ بات تو اصول کی ہے... نہ کہ کنجوسی کی... کنجوسی اور چیز ہے... گھر کے افراد اگر ایک وقت میں دو روٹی کھاتے ہوں اور انہیں ایک روٹی سے زیادہ نہ کھانے دوں تو اسے کنجوسی کہیں گے... ان کی ضروریات نہ پوری کروں... تب یہ کنجوسی ہوگی۔" انہوں نے وضاحت کی۔

"جی... جی۔" ثناء جھینپ گئی۔

"یہ ظہور کم بخت اب بھی ڈرا بیٹھا ہے۔" یہ کہہ کر وہ اٹھے... فرزانہ اور ثناء بھی ان کے پیچھے چل پڑے۔

خان رحمان دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولے:

"فکر نہ کرو فرزانہ! اب میں ظہور کو کچھ نہیں کہوں گا... بس اس سے یہ کہنے جا رہا ہوں کہ بے فکر ہو کر اندر آجاؤ۔"

یہ کہہ کر وہ باغ کی طرف چلے گئے... جلد ہی ظہور خوشی خوشی ان کی طرف آتا نظر آیا:

"آپ کا شکریہ فرزانہ بی بی!"

"نہیں بھئی... انکل کا شکریہ ادا کرو۔"

"ان کا کیوں ادا کروں... یہ تو میری بھلائی کرنے پر تل گئے تھے۔" ظہور نے برا سا منہ بنایا... خان رحمان مسکرانے لگے۔

"اچھا اب جاؤ... سلمیٰ کا ہاتھ بٹاؤ۔"

یہ کہہ کر خان رحمان انہیں واپس ڈرائنگ روم میں لے آئے:

"میرا خیال ہے فرزانہ... تم اپنی سہیلی کے سلسلے میں آئی ہو... کیونکہ میں ان کے چہرے کی پل پل بدلتی حالت دیکھ چکا ہوں۔"

"آپ کا خیال بالکل درست ہے انکل... پہلے میں ان کا مسئلہ آپ کے سامنے رکھتی ہوں۔" یہ کہہ کر فرزانہ نے ساری بات انہیں بتا دی... وہ سن کر مسکرا دیے اور بولے:

"بس! اتنی سی بات... یہ بھی کوئی بات ہے... ہم یہاں کھانا کھائیں گے، کچھ دیر آرام کریں گے... کیونکہ ابھی تو وہاں وہ شخص آیا نہیں ہوگا... اس لیے کچھ دیر بعد وہاں چلیں گے... اور ثناء بیٹی... آپ یقین رکھیں... وہ شخص آپ کو پریشان نہیں کر سکے گا۔"

"شش شکریہ... انکل۔" ثناء نے نظریں جھکا کر کہا۔

"اب ڈرنے کی ضرورت نہیں رہی۔"

جلد ہی کھانا آ گیا... پھر ساڑھے چار بجے کے قریب وہ ثناء

کے گھر پہنچ گئے... ثناء نے اپنی والدہ کو ان دونوں کے بارے میں بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ کیوں ساتھ آئے ہیں... ثناء نے اگرچہ اپنی والدہ کو پہلے ہی فون کر دیا تھا... لیکن پھر بھی اس کی والدہ پریشان ہو رہی تھی کہ نہ جانے... ثناء کو فرزانہ کہاں لے گئی ہے... اب جب انہوں نے ساری تفصیل سنی تو ان کے چہرے پر سے پریشانیوں کے بادل چھٹ گئے تھے۔

ٹھیک پانچ بجے ثناء کے دروازے پر زوردار انداز میں دستک ہوئی... وہ سمجھ گئے۔ قرض خواہ آ گیا ہے... خان رحمان نے ثناء کی والدہ سے کہا:

"آپ دروازے پر جائیں... دروازہ تھوڑا سا کھول کر دیکھیں... کیا یہ وہی شخص ہے... جسے آپ کو پچاس ہزار روپے دینا ہیں۔"

ثناء کی والدہ اٹھ کر دروازے پر چلی گئیں... انھوں نے دروازہ ذرا سا کھول اور باہر دیکھا... پھر گردن موڑ کر انہیں اشارہ کیا... گویا وہ بتا رہی تھیں کہ یہ وہی لوگ ہیں۔"

"ٹھیک ہے، آپ ان سے بات کریں۔" خان رحمان نے اشارہ کیا۔

ثنا کی والدہ نے دروازے کی جھری میں سے کہا:

"جی بھائی صاحب!"

"ہمارے پچاس ہزار۔"

"وہ... اللہ کی مہربانی سے تیار ہیں... آپ ان کی وصولی کی رسید لائے ہیں۔"

"رسید تو میں لکھ کر نہیں لایا... لیکن میں لکھ دیتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے... آپ اندر آجائیں... میں ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولتی ہوں... وہاں بیٹھ کر رسید لکھ دیں... میں پچاس ہزار روپے بھیج دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔"

انہوں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا... پھر اس شخص نے اندر بیٹھ کر رسید لکھی اور بولا:

"میں رسید لکھ چکا ہوں محترمہ۔"

"آپ پہلے رسید مجھے دے دیں... میں دیکھ لوں..." خان رحمان نے اشارہ کیا۔

"آپ رسید مجھے دے دیں... تاکہ میں پڑھ کر دیکھ لوں۔"

"یہ لے لیں۔" اس نے اندرونی دروازے کی جھری میں

سے رسید آگے کر دی۔ انہوں نے رسید لے لی اور اندر آگئیں... خان رحمان نے رسید پڑھی اور پچاس ہزار روپے ان کے ہاتھ میں تھما دیے:

"یہ لے لیں پچاس ہزار روپے۔" وہ بولیں۔

قرض خواہ نے رقم لے کر شکریہ ادا کیا اور کمرے سے نکل گیا۔ انہوں نے دروازہ اندر سے بند کر لیا... اب خان رحمان نے اس خاتون سے کہا:

"میرے خیال میں تو یہ سیدھا سادا معاملہ تھا... ان لوگوں نے بس اس وجہ سے دھمکی دی تھی کہ آپ کسی نہ کسی طرح ان کی رقم کا بندوبست کر دیں... اب جب انہیں رقم مل گئی تو وہ لے کر چلے گئے... لہٰذا اب آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔"

"ابھی ہمیں آپ کے پچاس ہزار روپے ادا کرنے ہیں۔"

"اس سلسلے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... اللہ تعالیٰ نے مجھے بے حساب دولت دی ہے... اس میں سے اگر میں پچاس ہزار روپے دے دیتا ہوں تو کوئی فرق نہیں پڑ جائے گا، لہٰذا آپ اس بارے میں پریشان نہ ہوں... اور اب ہم چلیں گے۔ فرزانہ کو اس کے گھر چھوڑتا ہوا، میں اپنے گھر چلا جاؤں گا۔"

"بہت بہت شکریہ، اللہ آپ کو خوش رکھے۔"

"آئیں۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔ وہ مسکرا دیے۔

وہ ان کے گھر سے باہر نکلے اور تو دونوں ماں بیٹی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے... ان آنسوؤں سے خوشی بھی ٹپک رہی تھی اور شکریہ بھی... ادھر فرزانہ اور خان رحمان یہ سکون اور خوشی لے کر لوٹ رہے تھے کہ وہ کسی غریب گھرانے کے کام آئے ہیں... ادھر ان کی گاڑی نے موڑ کاٹا... ادھر شاہ کے دروازے پر کسی نے دستک دے ڈالی... دونوں ماں بیٹی چونک اٹھیں کہ اب کون آگیا:

"میں دیکھتی ہوں..." یہ کہہ کر والدہ دروازے پر آئیں۔ انہوں نے دروازہ کھولے بغیر پوچھا:

"کون؟"

"وہی جسے ابھی آپ نے پچاس ہزار روپے ادا کیے ہیں۔" باہر سے کہا گیا۔

"فرمایئے... اب کیا بات ہے۔"

"قرض آپ نے ادا کر دیا ہے، ٹھیک ہے... لیکن یہ مکان تو آپ کو خالی کرنا ہی ہوگا، ہم آپ کو اس کی جگہ کوئی اور کرائے کا مکان دلوا دیتے ہیں... اس کا کرایہ بھی اس سے کم ہوگا۔"

"لیکن آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں۔"

"بس ہمیں یہ مکان بہت پسند ہے... اور ہم چاہتے ہیں... آپ یہ خالی کر دیں، بدلے میں مکان دلوانا ہمارا کام ہے... اور اس میں آپ کا کوئی نقصان بھی نہیں ہے... بلکہ کرائے میں بچت ہو جائے گی۔"

"حیرت ہے، اس مکان میں آخر ایسی کیا بات ہے؟"

"کوئی بات نہیں... لیکن بس یہ ہمیں پسند ہے... اور سچ پوچھیں تو ہم نے آپ کو قرض دیا ہی اس مکان کے سلسلے میں تھا... لیکن وہ مقصد حاصل نہیں ہو سکا۔"

"جی کیا کہا... ہم سمجھے نہیں۔" مارے حیرت کے شاہ کی والدہ کے منہ سے نکلا۔

"ہم لوگ اخبارات میں اشتہارات شائع کراتے ہیں... آسان شرائط پر قرض حاصل کریں۔ آپ نے ہمارا اشتہار پڑھ کر ہم سے رابطہ کیا تھا اور ہم نے آپ کو پچاس ہزار قرض دیا تھا... جو آپ کو مقررہ تاریخ کو لوٹانا تھا... لیکن آپ لوٹا نہ سکیں... اس لیے ہمیں دھمکی دینا پڑی... لیکن پھر آپ نے نہ جانے کیسے پچاس ہزار کا بندوبست کر لیا، جب کہ ہمارا خیال تھا کہ آپ بندوبست نہیں کر سکیں گے... جب آپ بندوبست نہ کر پاتے تب بھی ہم آپ لوگوں سے یہی کہتے کہ ہم

قرض میں رعایت کر دیتے ہیں... بس آپ یہ مکان خالی کر دیں... اس مکان کی جگہ ہم آپ کو دوسرا مکان دلوا دیتے ہیں۔"

"سوال تو یہی ہے نا کہ آخر کیوں۔"

"اور اس سوال کا جواب میں دے چکا ہوں... بس ہمیں یہ مکان بہت پسند ہے۔ ہمیں خالی کرانا ہے اور بس۔"

"اچھی بات ہے... میں کل آپ کو بتاؤں گی۔"

"بتانا کیا ہے... یہ کام تو آپ کو کرنا ہوگا... ورنہ ہم زبر دستی خالی کرائیں گے۔"

"میں نے کہا نا... کل بتاؤں گی۔"

"ہم کل شام پانچ بجے آئیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور وہ چلا گیا... دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کی طرف پریشان نظروں سے دیکھا... یہ مکان انہوں نے تین سال پہلے کرائے پر لیا تھا۔ اس وقت سے آج تک کسی نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی... یہ پہلا موقع تھا:

"میں کل فرزانہ سے بات کروں گی... پھر جیسا وہ بتائے گی ... کرلیں گے۔" ثنا نے کہا۔

"نہیں بیٹی! ہم جھگڑا کیوں مول لیں... وہ ہمیں بدلے میں کرائے کا مکان دلوا رہے ہیں... ہمیں اور کیا چاہیے، نئے مکان کا کرایہ بھی کم ہوگا... یہ لوگ کچھ خطرناک سے لگتے ہیں... اس لیے میں نے تو یہی سوچا ہے..."

"میرا خیال ہے... آپ ٹھیک کہتی ہیں... ہم کل یہ خالی کر دیں گے اور نئے میں چلے جائیں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔"

دوسرے دن فرزانہ نے کلاس روم میں ثناء کی طرف دیکھا... اس کا خیال تھا... آج ثناء بہت خوش نظر آئے گی... لیکن اس نے محسوس کیا... وہ کچھ چپ چپ سی ہے... لہٰذا اس نے پوچھا:

"کیا بات ہے ثناء... تم آج پھر چپ چپ ہو۔"

"کوئی خاص بات تو خیر نہیں ہے... بس نہ جانے کیوں میں کچھ پریشان ہوں... اور تھوڑی بہت الجھن بھی محسوس کر رہی ہوں۔"

"تو مجھے بات بتا دو نا... اس میں کیا حرج ہے۔"

ثنا نے بات بتا دی... فوراً ہی فرزانہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے... مارے حیرت کے اس کے منہ سے نکلا:

"کیا مطلب؟"

''کس بات کا مطلب پوچھ رہی ہو فرزانہ...''

''یہ بات کچھ کم عجیب نہیں ہے... بہت زیادہ عجیب ہے... اور ہمیں آج پھر تمہارے گھر جانا ہوگا۔''

''لیکن میرا خیال ہے... میری والدہ اس بات کو بالکل پسند نہیں کریں گی... کیونکہ دوسرے مکان میں چلے جانے میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہے... اس طرح ہم ہر قسم کے جھگڑے سے بچ جائیں گے۔''

''اوہ اچھا... خیر... جیسے آپ کی مرضی۔''

فرزانہ اسکول سے گھر آئی تو محمود اور فاروق اس سے چند منٹ پہلے پہنچ چکے تھے۔ دونوں کی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں:

''خیر تو ہے فرزانہ۔'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''کیوں کیا ہوا... کیا نظر آ گیا تمہیں۔'' اس نے منہ بنایا۔

''تمہاری پیشانی پر شکنیں ہی شکنیں ہیں۔''

''اوہو اچھا۔'' یہ کہتے ہوئے فرزانہ آئینے کی طرف بڑھ گئی... اس نے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا تو پیشانی پر واقعی شکنیں موجود تھیں... وہ مسکرا دی اور بولی:

''آؤ... بیٹھو... بتاتی ہوں... یہ شکنیں کیسی ہیں۔''

صحن کی میز کے گرد وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے، پھر فرزانہ نے شاہ والا سارا معاملہ انہیں سنا دیا:

''حیرت ہے... یہ بات کیا ہوئی... اس میں کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے... کیا خیال ہے... چکر کی تہہ میں جانا ہوگا۔''

''بات واقعی سمجھ میں نہیں آ رہی... پہلے بات اتنی تھی کہ شاہ کی والدہ نے ایک قرض دینے والے ادارے سے پچاس ہزار روپے قرض لیے تھے۔ قرض کی ادائیگی کے لیے انہوں نے دھمکی دی اور یہ کہا کہ اگر انہوں نے کل تک قرض ادا نہ کیا تو وہ ان کا سامان گھر سے نکال کر باہر پھینک دیں گے اور مکان پر قبضہ کر لیں گے... یہ بات شاہ کے ذریعے تم تک پہنچی اور تم نے انکل کی مدد سے ان کا قرض ادا کر دیا۔ ادارے کے لوگ قرض کی رقم لے کر خاموشی سے چلے گئے، لیکن اب انہوں نے پھر شاہ کی والدہ سے رابطہ کیا ہے... یہ کہ وہ یہ مکان انہیں دے دیں۔ بدلے میں وہ اس سے اچھا مکان انہیں دلوا دیتے ہیں... اس کا کرایہ بھی کم ہوگا... شاہ کی والدہ نے یہ بات مان لی ہے... کیونکہ وہ کسی جھگڑے میں نہیں پڑنا چاہتیں... اور یہ بات ان کی ہے بھی اچھی... کیونکہ وہ اکیلی عورت ہیں... ایک ان کی بیٹی ہے، وہ ان لوگوں سے کس طرح جھگڑا مول لے سکتی ہیں... لیکن اب

ہمارے لیے الجھن آ موجود ہوئی ہے... کہ آخر اس مکان میں ایسی کیا بات ہے... کیوں وہ لوگ اسے خالی کرنا چاہتے ہیں۔'' محمود کہتا چلا گیا۔

'' اور مکان بھی کرائے کا... یعنی ان لوگوں کا تو ہے بھی نہیں ... جو اسے لینا چاہتے ہیں...'' فاروق نے جلدی سے کہا۔

'' اگر مکان شاہ کی والدہ کی ملکیت ہوتا تو قبضے کی کوئی حیثیت بھی ہوتی ... وہ بھی اس صورت میں کہ قرض کے عوض مکان گروی رکھا گیا ہوتا... اب اگر راقب کارپوریشن والے مکان پر قبضہ کر بھی لیتے ہیں تو مالک مکان قبضہ کرنے والوں کو پولیس کی مدد سے چٹکی بجاتے آزاد کروالے گا... یہ ضرور کوئی اور ہی چکر ہے۔''

'' ہاں! یہ بات عجیب ہے ... میں کل شاہ سے مکان کے مالک کے بارے میں پوچھوں گی ۔شاہ کو تو شاید معلوم نہ ہو ... اس کی والدہ سے ملنا پڑے گا...''

'' ہو سکتا ہے مالک مکان نے خود ہی یہ چکر چلایا ہو...''

'' لیکن اسے اس قدر گھماؤ پھراؤ چال کی کیا ضرورت ہے... وہ تو ایک نوٹس دے کر کسی بھی وقت ایسا کر سکتا ہے۔''

'' قانونی طور پر کسی بیوہ سے مکان خالی کروانا اتنا بھی آسان

نہیں ہوتا ... اگر کرائے دار چاہے تو مالک مکان کو ناکوں چنے چبوا سکتا ہے ... عدالت میں ایک اپیل کرنے سے ہی کیس چل پڑتا ہے اور فیصلہ ہونے میں برسوں بھی لگ سکتے ہیں... اور مالک مکان بالکل بے بس ہو کر رہ جاتا ہے ... نہایت مضبوط جواز ہونا چاہیئے کسی بیوہ سے مکان خالی کروانے کیلئے ...''

'' پھر تو ممکن ہے کہ مالک مکان نے راقب کارپوریشن کے کارندوں سے گٹھ جوڑ کر رکھا ہو ....اور مکان خالی کروانے کیلئے ایسے ہتھکنڈے استعمال کر رہا ہو۔''

'' مگر شاہ کی والدہ تو بیحد سیدھی سادی خاتون ہیں ... ان سے پوچھنا پڑے گا کہ مالک مکان نے انہیں کبھی گھر خالی کرنے کا نوٹس تو نہیں دیا ... یا کبھی اس معاملے پر ان کی کبھی مالک مکان سے بحث وتکرار تو نہیں ہوئی۔''

'' بظاہر تو ایسا نظر نہیں آتا... وہ بیچاری تو اس معاملے میں بھی کوئی الجھن مول لینے کے لیے تیار نہیں ہیں ... انہیں اپنے قانونی حقوق کا اگر پتا ہوتا تو اس قدر آسانی سے دوسرے مکان میں منتقل ہونے پر کیسے آمادہ ہو جاتیں۔'' فاروق بولا۔

'' ہاں یہ بات تو ہے ... جب وہ دوسرے مکان میں چلی

جائیں گے تو ان کی الجھن تو دور ہو جائے گی ... وہ اس سارے
معاملے سے باہر ہو جائیں گے... ہم تو ان سے صرف اس کے مالک
مکان کا نام اور پتا جاننا چاہیں گے... اور میرا خیال ہے... انہیں بتانے
میں کوئی اعتراض نہیں ہوگا... نہ اس میں ان کے لیے کوئی خطرہ ہے۔"

"اچھی بات ہے ... تم مالک مکان کا پتا کر لو ... پھر ہم
اس سے ملیں گے ... بلکہ فرزانہ ..." محمود کہتے کہتے رک گیا۔

"بلکہ فرزانہ کیا... اس کا نام صرف فرزانہ ہے۔" فاروق
نے آنکھیں نکالیں۔

"بلکہ فرزانہ ..." محمود نے جیسے فاروق کا جملہ سنا ہی نہیں...
اپنی رو میں بولا۔

"ان سے قرض دینے والے ادارے کا نام پتا بھی پوچھ
لینا۔"

"اوہ ہاں واقعی یہ بھی ضروری ہے۔"

"بس تو پھر بات کل پر گئی۔" محمود نے کہا اور پھر وہ چائے
کی طرف متوجہ ہو گئے۔

دوسرے دن فرزانہ نے ثنا سے کہا:

"ثنا! تم نئے مکان میں کب جا رہی ہو۔"

"وہ تو ہم کل چلے بھی گئے... وہ لوگ آ گئے تھے ... خود ہی
سارا سامان وغیرہ لدوادیا اور ہمیں بھی سامان والی گاڑی میں بٹھایا اور
ایک دوسرے محلے میں نئے مکان میں ہمیں پہنچا دیا ... اس مکان کے
مالک سے ہمیں ملوا بھی دیا ... کرایہ بھی بتا دیا... کرایہ ہمیں ہر ماہ کی
یکم کو ادا کرنا ہوا کرے گا ... اور وہ میری والدہ آسانی سے ادا کر دیا
کریں گی... ہم دونوں اب خوش ہیں، مطمئن ہیں... آپ کا بہت بہت
شکریہ! اس سلسلے میں آپ کے اور آپ کے انکل نے ہماری مدد کی۔"

"چلو اچھا ہوا ... اب میں احتیاطاً پوچھتی ہوں... کیونکہ میں
نے محمود اور فاروق سے مشورہ کیا ہے... ہم بس دور دور سے یہ جاننے
کی کوشش کریں گے کہ یہ کوئی آپ لوگوں کے خلاف چکر تو نہیں ہے
... اور نئے مکان میں آپ کے لیے کوئی پریشانی والی بات تو نہیں ہے
..."

"ارے!" ثنا کے منہ سے مارے خوف کے نکلا۔

اس کا رنگ اڑ گیا:

☆☆☆☆☆

بات کی تہہ

فرزانہ نے محسوس کر لیا کہ اس نے غلط رخ سے بات کی ہے... شاہ پریشان اور خوف زدہ ہو گئی، چنانچہ اس نے جلدی سے کہا:

''اوہو! شاہ گھبرانے اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... ہم صرف امکان کا جائزہ لے رہے ہیں... تاکہ تم اور تمہاری والدہ بالکل بے فکر ہو جائیں... اور جو کریں گے... اس بات کا خیال رکھ کر کریں گے کہ تم تک کوئی بات نہ پہنچے... لہٰذا مجھ پر اعتماد کرو۔''

''وہ تو مجھے پہلے ہی ہے۔'' شاہ مسکرائی۔

''شکریہ! اب تم یہ بتا دو کہ قرض دینے والے اس ادارے کا نام کیا ہے۔''

''راغب کارپوریشن... اس ادارے کا دفتر سون کالونی میں ہے... شان پلازہ نمبر 111۔''

''خوب!'' فرزانہ نے یہ نام اور پتا نوٹ کر لیا۔

''اب ایک اور بات... مالک مکان کا نام اور پتا۔''

''کون سے مکان کا؟''

''جسے چھوڑ کر تم آئی ہو۔''

''وہ مجھے معلوم نہیں... والدہ سے معلوم کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے... میں آج پھر تمہارے ساتھ چلوں گی۔''

''لیکن شاید... اب والدہ اس معاملے سے خود کو بالکل الگ رہنا پسند کریں۔''

''آپ دونوں بالکل الگ ہی رہیں گے... بے فکر رہو... تم جانتی ہو... میرے والد کون ہیں۔''

''ہاں کیوں نہیں... اچھا ٹھیک ہے۔''

اور پھر چھٹی کے بعد فرزانہ شاہ کے ساتھ اس کے نئے گھر پہنچ گئی، اس کی والدہ اسے دیکھ کر مسکرا دی:

''السلام علیکم آنٹی! آپ کو نیا گھر مبارک ہو۔''

''شکریہ بیٹی! یہاں آ کر سکون محسوس ہو رہا ہے... اس الجھن سے نجات ملی۔''

''جی ہاں! یہ تو ہے... ویسے جس ادارے سے آپ نے قرض لیا تھا... اس کا نام کیا تھا۔''

''کوئی راقب کارپوریشن نام کا ادارہ تھا۔''

''اور ان کا دفتر کہاں ہے۔''

''لیکن تم کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''اس معاملے میں الجھن سی محسوس ہو رہی ہے... اس لیے جاننا چاہتے ہیں، یہ لوگ کون ہیں۔''

''میرے خیال میں تو اس بات کو بھول جانا چاہیے۔''

''آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... آپ تک اس معاملے کی بلا تک نہیں پہنچے گی...''

''خیر وہ تو میں جانتی ہوں... جو لوگ ہمارے لیے اتنی بڑی قربانی دے سکتے ہیں، وہ بھلا ہمیں کیوں پریشان کریں گے... ان کا دفتر مون کالونی شاہ پلازہ میں ہے۔''

''اور آپ کے پرانے مکان کے مالک کا نام کیا ہے... وہ کہاں رہتے ہیں۔''

''مالک مکان کا نام صابر کیرا... ریواڑی ٹاؤن نمبر 119 میں رہتے ہیں... ویسے میں نے انہیں نہیں دیکھا... کرائے وغیرہ پر دینے دلانے کا کام تو ان کے ملازم کرتے ہیں۔ ان کا یہی کاروبار ہے... شہر کی بہت سی جگہوں پر انہوں نے مکانات بنوائے ہوئے ہیں۔ وہ

کرائے پر دیتے رہتے ہیں۔''

''میں سمجھ گئی... آپ کا شکریہ، اب میں چلوں گی۔''

''میں پھر کہوں گی... اس بات کو اب بھول جانا چاہیے۔''

''آپ فکر نہ کریں، اگر بھولنے میں بہتری ہوئی تو ہم بھول جائیں گے اور اگر معلومات حاصل کرنے میں بہتری نظر آئی تو معلومات حاصل کریں گے... آپ تک بہرحال کوئی آنچ نہیں آئے گی... کیونکہ میں اور انکل خان رحمان تو پہلے ہی ان کے سامنے نہیں آئے تھے۔''

''اوہ ہاں! یہ تو ہے۔''

''بس تو پھر آپ بالکل بے فکر رہیں، اگر ہم ان کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو ان کا ذہن آپ کی طرف جائے گا ہی نہیں...''

''ٹھیک ہے...'' دونوں ایک ساتھ بولیں۔

اور فرزانہ دونوں پتے نوٹ کر کے وہاں سے رخصت ہوئی... اپنے گھر کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دستک دی تو محمود نے دروازہ کھولا اور اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی بولا:

''تو نام پتے مل گئے۔''

"بالکل مل گئے۔"

"چلو شکر ہے... یہ تو ہوا۔"

تینوں صحن میں میز کے گرد بیٹھ گئے... اب فرزانہ نے کہا:

"قرض دینے والے ادارے کا نام راقب کارپوریشن... 111 شان پلازہ سوِن کالونی میں اس کا دفتر ہے... اور مکان کے مالک کا نام ہے صابر کبیر 119 ریوازی ٹاؤن۔"

"پھر کیا پروگرام ہے۔"

"میرا خیال ہے... ہمیں اس معاملے میں سامنے نہیں آنا چاہیے... یا تو میک اپ میں رہ کر کام کریں یا پھر کسی دوسرے کے ذریعے کام لیں۔"

"کسی دوسرے کے ذریعے کام لیتے ہیں تو مزہ نہیں آئے گا... ہم میک اپ کر لیتے ہیں... اور ساتھ میں انکل خان رحمان کو لے لیتے ہیں۔"

"ہوں! یہ ٹھیک رہے گا..." فرزانہ نے فوراً کہا۔

"میں انکل کو فون کرتا ہوں۔" محمود نے کہا۔

"اور ابا جان سے کیا کہیں گے... وہ بھی تو آنے والے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ان سے پہلے انکل آجائیں گے... ان کی موجودگی میں ابا جان سے بات کریں گے... یوں بھی ابا جان ہمیں ایسے کاموں سے نہیں روکتے... بلکہ خوشی سے اجازت دے دیتے ہیں۔ اب بھی ایسا ہی ہوگا... تم دیکھ لینا۔" محمود کہتا چلا گیا۔

پھر اس نے خان رحمان کے نمبر ملائے... سلسلہ ملنے پر بولا:

"انکل! آپ سے ایک ضروری کام ہے... کیا آپ ابھی اور اسی وقت آسکتے ہیں۔"

"کیوں نہیں آسکتا۔"

"بس تو پھر آجائیں۔"

خان رحمان پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گئے... فرزانہ نے انہیں ساری بات بتائی... وہ حیران ہوئے بغیر رہ نہ سکے:

"میں تو سمجھا تھا کہ یہ معاملہ ختم ہوگیا۔" وہ بولے۔

"ثناء اور اس کی والدہ کی حد تک تو ہوگیا ختم... لیکن ہماری حد تک ختم نہیں ہوا... ہم اسے آگے چلانا چاہتے ہیں اور اس چکر کی تہہ تک پہنچنا چاہتے ہیں۔"

"خیر یہ تو اچھی بات ہے کہ..."

عین اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی... انداز انسپکٹر جمشید کا تھا:

''ابا جان آگئے۔'' محمود نے کہا اور دروازے کی طرف لپکا... جونہی اس نے دروازہ کھولا... انہوں نے انسپکٹر جمشید کو کہتے سنا:

''خان رحمان... تم آج کیسے ٹپک پڑے۔''

''بس اللہ کے حکم سے ٹپک پڑے۔'' خان رحمان مسکرائے۔

پھر انسپکٹر جمشید بھی ان کے ساتھ آبیٹھے... انہوں نے چاروں کے چہروں کی طرف دیکھا... پھر بولے:

''لگتا ہے... کوئی معاملہ درپیش ہے۔''

''جی ہاں! آپ کا اندازہ درست ہے۔''

''چلو بتاؤ... پھر۔''

''لیکن ابا جان! اس معاملے کو ہم اپنے طور پر کرنا چاہتے ہیں۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے۔'' انہوں نے خوش ہو کر کہا... اب فرزانہ نے شروع سے آخر تک ساری بات سنائی... وہ غور سے سنتے رہے... چہرے پر حیرت بھی نظر آنے لگی تھی... آخر فرزانہ کے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا:

''ہو سکتا ہے، اس معاملے میں کوئی عجیب بات ہو اور اس کا بھی امکان ہے کہ سرے سے کوئی عجیب بات ہو ہی نہ... البتہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے۔

''اللہ کا شکر ہے! آپ کہیں سے ایک عدد البتہ لے آئے۔''

''اس سارے معاملے میں دو باتیں اہم ہیں، راقب کارپوریشن والوں کو اس مکان کی ایسی کیا ضرورت پڑ گئی... دوسری بات وہ مکان راقب کارپوریشن کا تو ہے ہی نہیں... تو پھر انہوں نے اوپر ہی اوپر مکان پر کیسے قبضہ کر لیا، یعنی مالک مکان کی مرضی کے بغیر انہوں نے کیسے لے لیا۔''

''جی ہاں! یہ دونوں باتیں ہمارے پیش نظر ہیں۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''تب پھر تم کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''ہم راقب کارپوریشن جائیں گے اور اس کے بعد مکان کے مالک سے بھی ملیں گے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''اور چونکہ یہ دونوں کام تم لوگ خود بھی کر سکتے ہو اس لئے میرا یہاں کوئی کام نہیں... اس لیے میں اپنے گھر جاؤں گا... تاہم

میری کوئی ضرورت پڑ جائے تو بلا سکتے ہو۔" خان رحمان بولے۔

"نہیں انکل۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیا کہا... نہیں انکل۔" خان رحمان گھبرا گئے۔

"جی ہاں انکل۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"یہ کیا بات ہوئی... نہیں انکل... جی ہاں انکل۔" انہوں نے منہ بنایا۔

"میرا مطلب ہے... ہمیں اس کیس میں آپ سے کچھ کام لینا ہے... لیکن ہمارا کام کل شروع ہوگا... لہٰذا کل آپ یہاں آجائیں..."

"بھئی کچھ بتاؤ تو سہی۔" انہوں نے گھبرا کر کہا۔

"کل بتائیں گے۔"

"میں سمجھ گیا... یہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے... ساتھ ہی انہوں نے خان رحمان کی طرف دیکھا۔

"حیرت ہے... اچھا بتائیں... آپ کیا سمجھ گئے۔"

"میں کاغذ پر لکھ کر دے دیتا ہوں... کل جب تم اپنے انکل کے ساتھ گھر سے نکلو، اس وقت کاغذ کھول کر پڑھ لینا، لیکن اس سے پہلے تم نہیں پڑھو گے۔"

"اچھی بات ہے۔"

انہوں نے الگ ہٹ کر کاغذ پر کچھ لکھا اور پھر فرزانہ سے لفافہ اور گوند منگوا کر کاغذ کو لفافے میں بند کر کے، اس پر گوند لگا دیا... محمود نے وہ لفافہ ان سے لے کر جیب میں رکھ لیا۔"

دوسرے دن اسکول سے آکر انہوں نے جلدی جلدی اپنا ہوم ورک مکمل کیا اور پھر خان رحمان کو فون کیا کہ اب آجائیں۔ محمود نے انہیں اپنے کسی بوڑھے ملازم کا شناختی کارڈ بھی لانے کیلئے کہا... سہ پہر کے قریب خان رحمان ان کے پاس پہنچے تو محمود بولا:

"ہمارا پروگرام یہ ہے انکل کہ آپ کو ایک بوڑھا بنا دیں۔"

"کک... کیا کہہ رہے ہو محمود... ابھی میرا بوڑھا بننے کا کوئی پروگرام نہیں۔" وہ بوکھلا اٹھے۔

"اور... ہم بھی اپنے چہرے پر میک اپ کرلیں۔"

"پھر۔" وہ جلدی سے بولے۔

"پھر ہم چلیں راقب کارپوریشن کی طرف... آپ انہیں بتائیں گے کہ آپ کو قرضہ چاہیے... پھر دیکھتے ہیں، وہ کیا کہتے ہیں۔"

"توبہ کرو بھائی... میں کیوں لینے لگا قرض... اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا کچھ دیا ہے۔"

"اوہو انکل... یہ سب ڈرامہ ہوگا اور تھوڑی دیر کے لیے ہوگا... اصل میں تو ہمیں بات کی تہہ تک پہنچنا ہے۔"

"او بات کی تہہ... اسے تو میں بھول ہی گیا... اگر بات صرف بات کی تہہ تک پہنچنے کی ہے... تو میں حاضر ہوں... لیکن دیکھ لو... اگر کوئی گڑبڑ ہوگئی تو..."

"ابا جان ذمے دار ہوں گے۔" محمود مسکرایا۔

"وہ کیسے... وہ تو اس معاملے میں شریک ہی نہیں۔"

"آپ بھول رہے ہیں انکل۔" فرزانہ نے منہ بنایا۔

"چلو جلدی سے بتاؤ... کیا بھول رہا ہوں۔"

"وہ کل ہمیں چٹ لکھ کر دے چکے ہیں۔"

"اوہ ہاں! نکالو چٹ... کیا لکھا ہے جمشید نے۔"

اور پھر محمود نے لفافے میں سے ان کی لکھی تحریر نکالی... انہوں نے پڑھا... لکھا تھا:

"تم لوگ خان رحمان کو میک اپ میں راقب کارپوریشن لے جانا چاہتے ہو... تاکہ چکر کی تہہ تک پہنچ سکو... سو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں... ایسا ضرور کرو۔"

"ارے باپ رے... یہ... یہ جمشید تو جادوگر لگتا ہے۔"

خان رحمان بوکھلا اٹھے۔

"تو پھر میک کرانے کے لیے تیار ہوجائیں۔"

"چلو۔" انہوں نے کندھے اچکائے۔

وہ انہیں لائبریری میں لے آئے... اس قسم کے کام... بلکہ ان کے تمام کام لائبریری میں انجام پاتے تھے... لائبریری تو اس وسیع و عریض کمرے کے ایک کونے میں واقع تھی... جبکہ باقی جگہ ایک جدید تجربہ گاہ، مواصلاتی رصدگاہ اور میک اپ روم نے پر کی ہوئی تھی... یہ میک اپ روم ایک شیشے کا کمرہ تھا جس کی دیواروں پر چہرے اور حلیے بدلنے کا سامان سجا تھا... یہاں ایک ڈیجیٹل کیمرہ، ہائی ریسولیشن اسکینر، کمپیوٹر اور اس کا مانیٹر بھی رکھا تھا۔ اسکینر کے ذریعے انہوں نے ملازم کے شناختی کارڈ پر لگی تصویر اسکین کی... ساتھ ہی انہوں نے ڈیجیٹل کیمرے سے خان رحمان کی تصویر اتاری اور دونوں تصویروں کو اس مخصوص سافٹ ویئر پر لا کر کھولا تو اسکرین پر ایک فہرست نمودار ہوگئی:

"یہ فہرست کیسی ہے فاروق۔" خان رحمان نے اسکرین پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔

"یہ ان تمام اشیاء یعنی رنگوں، بالوں کی وگ، کونٹیکٹ لینس، اور جھلیوں کی فہرست ہے جو آپ کے چہرے کو بالکل اس شناختی کارڈ

کی تصویر کے مطابق بنا دیں گی..."

"واہ بھئی ... یہ تو بڑی زبردست ایجاد ہے۔"

انہوں نے تھوڑی دیر میں خان رحمان کو بوڑھا بنا کر رکھ دیا...

انہیں آئینہ دکھایا تو وہ چلا اٹھے:

"ہائیں! یہ تو میرا ملازم ہے... تو پھر میں کہاں ہوں...؟"

"یہ آپ ہیں انکل۔"

"ارے باپ رے ... یار یہ تو میں واقعی بوڑ[illegible]

اب ... اب کیا ہوگا ... مم ... میری بیگم ..."

"گھبرائیں نہیں انکل... جلد ہی آپ اپنی شکل و صورت میں

لوٹ آئیں گے۔"

"اوہ اچھا! پھر تو ٹھیک ہے۔"

"اب ہم ایک دوسرے کے چہروں پر میک اپ کریں گے۔"

دو گھنٹے بعد ان کے چہروں پر میک اپ ہو چکا تھا.......

تھوڑی دیر بعد وہ پچھلے دروازے سے نکلے اور گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو

روک کر اس میں بیٹھ گئے:

"مون کالونی ... شان پلازہ۔"

"راقب کارپوریشن جانا ہے۔" ٹیکسی ڈرائیور بول اٹھا۔

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا... ان کے چہروں

پر حیرت ہی حیرت پھیل گئی۔

☆☆☆☆☆

جلد آؤ

ٹیکسی ڈرائیور ان کی تیز آواز سن کر ان کی طرف مڑا:

"خیر تو ہے۔"

"کیا شان پلازہ جانے والا ہر شخص راغب کارپوریشن جاتا ہے۔"

"ہاں!" ڈرائیور مسکرایا۔

"کیا کہا... ہاں۔"

"ہاں!" اس نے پھر کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔"

"پوری مون کالونی راغب کارپوریشن والوں کی ہے... یہ بستی انہوں نے ہی بسائی ہے۔"

"اوہو اچھا۔" مارے حیرت کے ان کے منہ سے نکلا۔

"اور میں تو یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ آپ لوگ قرضہ لینے کے

سلسلے میں جا رہے ہیں۔"

"حیرت ہے... کمال ہے... یہ ادارہ اتنا مشہور ہے... اور ہمیں پتا بھی نہیں۔" محمود نے کہا۔

"آپ اخبارات میں شائع ہونے والے ان کے اشتہارات نہیں پڑھتے ہوں گے... ایک اخبار آزاد نیوز تو اشتہارات ہی ان کے شائع کرتا ہے۔"

"ہم نے آج تک یہ اخبار نہیں دیکھا... لیکن اب دیکھیں گے۔"

"بہت ہی آسان شرائط پر قرض دیتے ہیں... اس لیے ضرورت مند سب انہی کا رخ کرتے ہیں۔"

"ہوں۔"

اور پھر ٹیکسی میں خاموشی چھا گئی... آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد ٹیکسی ایک بہت طویل و عریض عمارت کے سامنے رک گئی:

"یہاں سے آپ کو پیدل جانا ہوگا... آگے گاڑی لے جانے کی اجازت نہیں۔"

"اچھی بات ہے... شکریہ۔"

وہ ٹیکسی سے اتر آئے... کرایہ ادا کیا اور آگے بڑھ گئے...

عمارت کے کئی بڑے بڑے آہنی گیٹ تھے... نزدیک ترین گیٹ سے وہ اندر داخل ہوئے۔ دائیں طرف ہی ایک کمرے کے دروازے پر 'معلومات' کا بورڈ نظر آیا... وہ اس کی طرف بڑھ گئے... ہر طرف لوگ ہی لوگ نظر آ رہے تھے... یوں لگتا تھا... ہزاروں لوگ قرض لینے کے لیے آئے ہوئے ہیں۔

معلومات والے کمرے کے باہر لائن لگی ہوئی تھی:

"میں لائن میں لگتا ہوں... آپ اس طرف کھڑے ہو جائیں..."

"اچھا!" اس کے منہ سے نکلا۔

لائن آگے سرکتی چلی گئی... جب محمود عین دروازے کے قریب ہو گیا تو خان رحمان اس کی جگہ لائن میں آ گئے، محمود نکل گیا، خان رحمان کے ساتھ محمود، فاروق اور فرزانہ کو اندر نہیں جانے دیا گیا۔

"صرف ایک آدمی اندر جائے گا... جسے قرض لینا ہے... ہاں اگر کوئی چل پھر نہیں سکتا تو اس کی مدد کے لیے دوسرا ساتھ جا سکتا ہے۔" بتایا گیا۔

خان رحمان اندر پہنچے... کچھ دیر بعد انہیں ایک لمبے سے کاؤنٹر کے پیچھے چوڑی سی کرسی پر بیٹھے شخص کے سامنے بیٹھنا پڑا:

"کتنا قرض چاہیے آپ کو۔"

"ایک لاکھ روپے۔"

"یہ فارم لے لیں... اسے پر کر دیں..."

وہ فارم پر کرنے لگے... اس میز پر جتنی کرسیاں تھی... ان سب پر اسی طرح لوگ بیٹھے فارم پر کر رہے تھے... دوسری میزوں پر بھی یہی کام ہو رہا تھا... فارم پر کرنے کے بعد انہوں نے اسے میز کے دوسری طرف بیٹھے شخص کے آگے رکھ دیا... اس نے فارم کو جلدی جلدی پڑھا... پھر بولا:

"شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی۔"

انہوں نے ملازم کے شناختی کارڈ کی فوٹو کاپی اسے دے دی:

"بس آپ جائیں... کل یا پرسوں ہمارا نمائندہ آپ کے گھر آئے گا... آپ کے گھر کے کاغذات اور گھر کی حالت دیکھے گا... وہ فارم پر اپنی رپورٹ لکھے گا... پھر وہ فارم لے کر آپ یہاں آئیں گے اور کمرہ نمبر 3 میں جائیں گے... وہاں آپ سے وہ فارم لے لیا جائے گا... رجسٹر میں اس کا اندراج ہوگا... پھر چیک آپ کو بنا کر دیا جائے گا... اور آپ بنک سے رقم لے سکیں گے... بس آپ جائیں۔"

خان رحمان باہر نکل آئے... وہ محمود، فاروق اور فرزانہ کو

ساتھ لیے عمارت سے باہر جانے کے لیے روش پر چل پڑے ... باہر
بے شمار ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ انہوں نے ایک ٹیکسی پکڑی اور گھر آ گئے۔
راستے میں انہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ پانچ بج چکے تھے
اور انسپکٹر جمشید گھر میں موجود تھے... انہوں نے مسکرا کر ان کی طرف
دیکھا:

"کیا رہا۔"

انہوں نے کارروائی دہرا دی:

"اور شناختی کارڈ کس کا تھا جس پر خان رحمان کی تصویر لگا کر
نقلی کاپی تیار کی گئی۔"

"میرے ایک ملازم کا جمشید ... میرے چہرے پر اسی کا
میک اپ کیا گیا تھا... فوٹو کاپی اسی کی تھی۔ اس لیے غلط ثابت نہیں
ہوگا۔" انہوں نے بتایا۔

"اوہ! پھر تو ٹھیک ہے۔"

"تو کیا ہم کل یا پرسوں اس ملازم کے گھر میں اس کا انتظار
کریں گے۔"

"ہاں! چکر کی تہہ تک جانے کے لیے یہ بھی کرنا ہوگا...
واقعی قرض لینا ہوگا... خان رحمان دو دن کے لیے ملازم کو چھٹی دے دو

اور خود ان تینوں کے ساتھ وہاں رہو۔"

"لیکن اس ملازم کے تو بچے نہیں ہیں۔"

"کوئی بات ... قرض کے لیے درخواست تو تم نے دے دی
ہے نا... وہ تم سے بات کریں گے ... ان سے نہیں... یہ تو وہاں رہ کر
جائزہ لیں گے۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔"

☆☆☆

دوسرے دن غریب آباد کے اس چھوٹے سے کوارٹر کے
دروازے پر دستک ہوئی جہاں خان رحمان کا وہ ملازم رہتا تھا...
ملازم کے میک اپ میں خان رحمان نے دروازہ کھولا ... باہر ایک مرد
اور ایک عورت کھڑے تھے:

"قرض کی درخواست آپ نے دی تھی۔"

"جی ہاں!"

"کیا ہم اندر آ سکتے ہیں... کیونکہ ہمیں کارروائی مکمل کرنے
میں کچھ دیر لگ جائے گی۔"

"آپ اندر آ جائیں۔"

انہوں نے دونوں کو چارپائی پر بٹھایا ... عورت کے ہاتھ میں

وہ فارم تھا جو وہ کل دے کر آئے تھے:

"آپ اس مکان کے کاغذات دکھا دیں... اگر یہ کرائے کا ہے تب کرائے کا معاہدہ دکھا دیں۔"

انہوں نے پہلے ہی تیاری مکمل کر رکھی تھی... خان رحمان نے کوارٹر کی لیز کے کاغذات دکھا دیے دونوں نے کاغذات چیک کیے... پھر عورت نے کہا:

"تو گھر آپ کا ذاتی ہے... ٹھیک ہے.. آپ کل دفتر آئیں گے... کمرہ نمبر 3 سے آپ کو رقم کا چیک ملے گا ۔ وہاں ایک رجسٹر میں آپ کے دستخط ہو جائیں گے ... قرض کی ادائیگی کی مدت اور طریقہ وغیرہ سب آپ کو بتا دیا جائے گا۔"

"جی اچھا۔"

وہ چلے گئے۔

☆☆☆

کانٹے

دوسرے دن یہ چاروں راقب کارپوریشن کے دفتر کی عمارت میں واقع کمرہ نمبر 3 میں پہنچ گئے۔ وہاں ایک عہدے دار نے انہیں بتایا:

"آپ کو یہ رقم دو سال کے اندر لوٹانا ہوگی ... چاہے قسطوں میں ادا کر دیں یا دو سال بعد ایک ہی بار ادا کر دیں... ادائیگی نہ کرنے کی صورت میں آپ کا مکان ضبط کر لیا جائے گا اور مکان کی ملکیت آپ کو راقب کارپوریشن کے نام منتقل کرنا ہوگی... یہ شرائط منظور ہوں تو یہاں دستخط کر دیں ... بائیں انگوٹھے کا نشان بھی لگانا ہوگا ... پھر چیک وصول کر لیں... ورنہ یہ تمام کارروائی منسوخ ہو جائے گی۔"

"مجھے شرائط منظور ہیں ...بلکہ منظور کرنے کے سوا چارہ ہی کیا ہے ... میں دو سال تک یہ رقم ادا کر دوں گا۔" خان رحمان بولے

"بس ٹھیک ہے۔"

ان کے دستخط کرائے گئے... انگوٹھا لگوایا گیا... پھر رقم کا چیک انہیں دے دیا گیا... اور وہ باہر نکل آئے... اسی روز انہوں نے بنک سے رقم نکلوائی اور گھر آگئے۔ انسپکٹر جمشید وہاں موجود تھے:

''کیا رہا۔''

''رقم مل گئی... دو سال کے اندر رقم لوٹانا ہے... نہیں لوٹائیں گے تو وہ اس مکان پر قبضہ کرلیں گے... مطلب یہ کہ اس وقت تک آپ کو مکان واپس نہیں دیں گے، جب تک ہم ان کے ایک لاکھ روپے نہیں دیں گے۔''

''ہوں ٹھیک ہے... اس فارم کی نقل مجھے دکھاؤ... چیک کون سے بنک کا تھا۔''

''یونیورسل بنک۔''

انہوں نے فارم کی نقل چیک کی... دوسرے کاغذات بھی دیکھے... پھر بولے:

''یہاں تک تو اس معاملے میں صرف یہی چکر ہے کہ یہ مکان پر کیوں قبضہ کرتے ہیں... جب کہ کئی کیسوں میں وہ مکان ہیں بھی کرائے کے... آخر کسی کو کرائے کا مکان چھوڑ کر کیا نقصان ہو جاتا ہے بھلا۔''

''یہ بات واقعی سمجھ میں آنے والی نہیں۔''

''ہوں خیر... اب ہم دو سال تک تو انتظار نہیں کرسکتے... تم ایسا کرو کہ صابر کیرا سے مل لو... وہ اس بارے میں کیا کہتا ہے... آخر اس کا مکان کوئی اور ہی اور کیسے لے سکتا ہے... خان رحمان کو وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔''

''ٹھیک ہے... ہم ابھی اس سے مل لیتے ہیں۔''

''او کے... اللہ حافظ۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

اور پھر وہ 119 ریوازی ٹاؤن کی طرف روانہ ہوئے... انہوں نے میک اپ جوں کے توں رکھے تھے... 119 ریوازی ٹاؤن کے سامنے پہنچ کر انہیں ایک زبردست جھٹکا لگا اور یہ جھٹکا حیرت کا تھا:

''اُف مالک! اتنی شان دار عمارت۔''

انہوں نے دیکھا... وہ محل نما ایک کوٹھی تھی... محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبایا... بڑے دروازے میں ایک چوکور سوراخ نمودار ہوا اور ایک شخص نے باہر جھانکا، اس کی بڑی بڑی مونچھیں بہت خوفناک تھیں:

''کیا بات ہے۔'' اس کا لہجہ کافی اکھڑ تھا۔

''ہمیں صابر کیرا صاحب سے ملنا ہے۔''

"کس سلسلے میں؟" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"ایک مکان کے سلسلے میں۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا۔"

"جی ہاں تو ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"مکان کے سلسلے میں اور صاحب کیا بات کریں گے... دماغ تو نہیں چل گیا... بھلا کر کلرک سے ملو۔"

"اور وہ کہاں بیٹھتے ہیں۔"

"کوٹھی کی بائیں والی دیوار کے ساتھ ساتھ چلے آجاؤ... جہاں آفس لکھا نظر آئے... بس سمجھ لینا، وہیں کلرک بیٹھتا ہے۔"

"جی بہت اچھا، سمجھ لیں گے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"کیا سمجھ لیں گے۔"

"یہی کہ کلرک کہاں بیٹھتا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"جاؤ جاؤ دماغ نہ چاٹو... بے وقوف کہیں کے... پاگل۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"دو شکریہ... ایک پاگل کہنے کا دوسرا بے وقوف کہنے کا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تم جاتے ہو یا نہیں۔"

"جا تو خیر ہم رہے ہیں... ویسے آپ کا نام کیا ہے۔" محمود نے اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں... کیا بات ہے۔"

"بس ایسے ہی پوچھ رہے ہیں، کیا نام بتانے میں کوئی حرج ہے۔"

"کیا حرج ہو سکتا ہے... تم کون ہوتے ہو... جو مجھے کھا جاؤ گے، میرا نام عزیز احمد ہے۔"

"بھائی جھوٹ تو نہ بولو... بلکہ پہلے بولو پھر تولو۔" محمود نے بڑا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب... کیا کہا تم نے۔" اس نے محمود کو حیران ہو کر گھورا۔

"میں نے کہا ہے... جھوٹ تو نہ بولو۔"

"بلکہ اس کے آگے یہ بھی کہا ہے... پہلے بولو پھر تولو... اب یہ اور بات ہے کہ تمہارے پاس ترازو نہ ہو۔"

"کیا بکواس ہے... اور میں نے کیا جھوٹ بولا ہے۔"

"اپنا نام غلط بتا کر جھوٹ نہیں بولا تو کیا سچ بولا۔"

"کیا مطلب؟" فرزانہ اور فاروق کے ساتھ اس کے بھی منہ

سے نکلا۔

اب تو تینوں کی نظریں محمود پر جم گئیں:

"لڑکے دلچسپ ہو ... مزے کی بات کرتے ہو... اندر آجاؤ... میں تمہارے لیے کلرک کو یہیں بلا لیتا ہوں۔"

"شکریہ! یہ ہوئی نا بات۔" محمود خوش ہو گیا... ادھر فرزانہ کو گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

اس نے دروازہ کھول دیا... ساتھ ہی بولا:

"آؤ آؤ ... بہت ذہین لگتے ہو ... ادھر اس کمرے میں بیٹھو... میں کلرک کو فون کرتا ہوں۔"

"جی شکریہ!" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

دروازے کے ساتھ ہی بائیں طرف ایک کمرے تھا۔ اس کا دروازہ کھلا تھا۔ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ تینوں کمرے میں آگئے:

"بیٹھو!" وہ بولا۔ پھر اس نے فون کا ریسیور اٹھا کر ایک بٹن دبا دیا اور بولا:

"کانٹے... یہاں تمہاری ضرورت ہے، بے وقوف الو... پاجی۔"

دوسری کا جواب سن کر اس نے ریسیور بند کر دیا:

"ایک آدمی کے اتنے نام۔" فاروق کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"کتنے؟" عزیز احمد بولا۔

"یہی بے وقوف، الو، پاجی۔ تین تو ہو گئے۔"

"اوہ ہاں! یہ کم ہیں... اس میں نالائق گدھے اور خبیث کا اضافہ کر لو۔" وہ مسکرایا۔

ساتھ ہی اس نے پھر ریسیور اٹھایا اور کہا:

"نالائق، گدھے اور خبیث جلد آؤ۔"

ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف مڑا:

"ہاں تو مکان کے سلسلے میں کیا کام ہے۔"

"فیروز آباد میں B 90 نمبر ایک مکان ہے ... وہ مکان صابر کبیرا صاحب کا ہے۔ کرائے پر دیا گیا ایک مکان ... اس مکان میں ایک خاتون اپنی بیٹی کے ساتھ رہتی ہیں... اس عورت نے قرضہ دینے والے ایک ادارے سے قرض لیا تھا ... ادارے نے اسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے ان کا قرض ادا نہ کیا تو ان کا سامان مکان سے نکال کر باہر پھینک دیں گے اور اس مکان پر خود قبضہ کر لیں۔"

"اچھا کمال ہے... وہ اور صابر کیرا کے مکان پر قبضہ کریں
گے، واہ خوب... خیر... تمہارا اس معاملے سے کیا تعلق... تم تو بچے
ہو۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"جی ہاں! ہیں تو خیر ہم بچے... اس عورت کی بیٹی ہمارے
بہن کے ساتھ پڑھتی ہے... اس کے ذریعے یہ بات ہمیں معلوم ہوئی،
ہم نے اپنے انکل سے ذکر کیا۔ انہوں نے اس کی قرض کی رقم ادا کر
دی... قرض خواہ رقم لے کر چلے گئے... لیکن۔" محمود کہتے کہتے رک
گیا۔ اسی وقت اس کی نظر فرزانہ پر پڑی تھی... وہ بہت بے چین نظر
آ رہی تھی:

"لیکن کیا..." عزیز احمد بولا۔

"لیکن دوسرے دن وہ قرض خواہ پھر وہاں آ گئے اور اس
غریب عورت کو مجبور کرنے لگے کہ وہ مکان خالی کر دے، اس کے
بجائے وہ اسے ایک اور کرائے کا مکان دلوا دیتے ہیں... وہ بچاری کیا
کرتی... اس نے مکان خالی کر دیا اور دوسرے مکان چلی گئی... ہمیں
اس بات کا پتا چلا تو بہت حیرت ہوئی... کیونکہ ہم نے سوچا، یہ بات
صابر کیرا صاحب کو بتانی چاہیے، آخر مکان تو ان کا ہے... کوئی دوسرا
کیسے خالی کرا سکتا ہے... بس ہم تو دراصل اس لیے آئے تھے۔"

"تم نے بہت اچھا کیا... کیرا صاحب ان لوگوں سے سمجھ
لیں گے... اب سوال یہ ہے کہ تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ میرا نام عزیز احمد
نہیں ہے۔" اس نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"وہ بات دراصل یہ ہے کہ میری یادداشت بہت تیز ہے...
ایک سال پہلے جیل سے ایک قیدی فرار ہوا تھا، اس کا نام تھا
ندیم زواری... اخبارات نے اس کی تصاویر بہت نمایاں کر کے شائع کی
تھیں... آپ کا چہرہ دیکھتے ہی مجھے وہ چہرہ یاد آ گیا... اس لیے میرے
منہ سے نکل گیا کہ جھوٹ تو نہ بولیں... بلکہ پہلے بولیں، پھر تولیں۔"

"خوب خوب! وہ دیکھو کلرک بادشاہ آ گئے۔" اس کی شوخ
آواز گونجی۔

انہوں نے دیکھا، کمرے میں 6 آدمی داخل ہوئے تھے... ان
سب کے چہروں پر شرافت کا دور دور پتا نہیں تھا:

"یہ کلرک ہیں... اتنے سارے کلرک۔"

"ہاں... یہ تمہیں میرا اصل نام بتائیں گے... اور یہ بھی
بتائیں گے کہ دوسروں کے معاملے میں ٹانگ اڑانے کا انجام کیا ہوتا
ہے... انہیں بتاؤ۔"

"اچھا استاد۔" یہ کہتے ہوئے وہ سب کے سب ہنسے۔ ان کا

چلنے کا انداز وحشیانہ تھا... پھر کمرے میں پستول لوڈ ہونے کی سنسنی خیز
آوازیں گونج اٹھیں:

'' ارے باپ رے... بھائی ہم نے ایسا کون سا جرم کر ڈالا... آپ کو پہچاننے کی غلطی ضرور ہو گئی ہے... لو میں اپنی غلطی واپس لیتا ہوں۔'' محمود نے تھر تھر کانپتی آواز میں کہا:

'' کیا کہا... کیا واپس لیتے ہو۔'' فاروق بوکھلا کر بولا۔

'' غلطی اور کیا۔''

'' حد ہو گئی... یہ کیا بات ہوئی۔''

'' جس طرح لوگ کہہ نہیں دیتے... میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں... اسی طرح میں نے کہہ دیا کہ میں اپنی غلطی واپس لیتا ہوں۔''

'' لیکن میرا خیال ہے... یہ لوگ تمہاری غلطی واپس کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں... ان کے تیور نہیں دیکھ رہے۔'' فرزانہ نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

'' ہاں! وہ تو میں دیکھ رہا ہوں۔'' محمود بولا۔

'' اس سے پہلے کہ کیرا صاحب ادھر آنکلیں... ان کا کام تمام کر دو اور رات کو پائیں باغ میں گہرا گڑھا کھود کر انہیں دفن کر دینا... اوپر گھاس ڈال دینا تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔''

'' اچھا چیف...'' انہوں نے پھر دانت نکالے۔

'' ہمیں معاف کر دیں... ہم سے بہت بھاری غلطی ہوئی... آپ کا نام عزیز احمد ہے... آپ سو فیصد عزیز احمد ہیں... بلکہ دو سو فیصد عزیز احمد ہیں۔''

'' تیر کمان سے نکل گیا... اب کچھ نہیں ہو سکتا۔''

'' حت... تیر کہاں ہے تیر۔'' فاروق نے گھبرا کر چاروں طرف دیکھا۔

'' جلدی کرو...'' زواری کا لہجہ حد درجے سرد ہو گیا۔

انہوں نے پستولوں والے ہاتھ سیدھے کیے اور ان کی طرف فائر کرنے کے لیے تیار ہو گئے... وہ بھی ساکت ہو گئے... ان کی طرف دیکھنے لگے، پلکیں جھپکانا بھول گئے... کیونکہ وہ چھ تھے... اور تھے بھی ایک کمرے میں... کھلے میدان میں ہوتے تو اور بات تھی... تنگ جگہ میں اکٹھے چھ گولیوں سے بچنا کافی مشکل کام تھا۔

ابھی انہوں نے چھلانگیں نہیں لگائی تھیں کہ ایک آواز گونجی:

'' یہ کیا ہو رہا ہے۔''

☆☆☆☆☆

ندیم زواری

فائر کرنے کے لیے تیار چھ کے چھ آدمی اپنی جگہ ساکت رہ گئے۔ ان کے چہروں کے رنگ اڑ گئے:

انہوں نے دیکھا، کمرے کے دروازے پر ایک لمبے قد کا دبلا پتلا آدمی کھڑا تھا... اس کے چہرے پر حیرت ہی حیرت تھی۔ اس کا قد لمبا ضرور تھا، لیکن چہرہ بالکل گول تھا اور رنگ سرخ وسفید تھا اور آنکھیں بھوری تھیں... پیشانی بہت کشادہ تھی۔ دیکھنے میں بہت ہی بھلا آدمی لگ رہا تھا:

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" اس نے پھر کہا... لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔

اب وہ چھ کے چھ چپ، ندیم زواری بھی بالکل خاموش تھا:

"عزیز احمد! بتاتے کیوں نہیں۔"

"یہ... یہ چور ہیں... چوری کی نیت سے اندر آگئے تھے۔"

"لیکن ان پر حملہ کرنے کی کیا ضرورت تھی... پھر یہ بچے ہیں، کسی مجبوری کی بناء پر چوری کرنے آگئے ہوں گے... زیادہ سے زیادہ انہیں پولیس کے حوالے کرنا چاہیے... نہ کہ گولیوں سے ان کے جسم چھلنی کیے جائیں... عزیز احمد! تمہیں بتانا ہوگا... یہ سب کیا ہے... تم انہیں کیوں مارنا چاہتے ہو۔"

"انہیں تو اب جان سے ہی مارنا ہوگا سر جی... اب سوال یہ ہے کہ آپ کا کیا کیا جائے... کیا آپ اس سارے معاملے کو راز رکھ سکیں گے۔"

"کیا مطلب... صابر کیرا بہت زور سے اچھلا۔

"اچھا ہوتا سر جی کہ آپ ادھر نہ آتے... اب آپ کا کام بھی تمام کرنا ہوگا... کیونکہ میں تو اب جیل جانے کے لیے تیار نہیں... پہلے ہی کئی سال کی جیل کاٹ چکا ہوں۔"

"کیا کہا... جیل کاٹ چکے ہو... تت... تم... تم۔"

"ہاں صاحب جی... میرا نام عزیز احمد نہیں ہے... بلکہ ندیم زواری ہے..."

"ندیم زواری۔" وہ بڑبڑائے۔

"جی ہاں! سزا یافتہ ہوں... قاتل ہوں... اب چونکہ آپ یہ

معاملہ راز نہیں رکھ سکیں گے، اس لیے ان تینوں کے ساتھ آپ کو بھی ۔"
وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ن... نہیں نہیں ۔" صابر کیرا کانپ گیا ... اس کا رنگ اڑ گیا ... اپنی موت اسے سامنے نظر آنے لگی:

"چلو اپنا کام کرو ... دروازہ بند کر دو۔"

اب تو محمود، فاروق اور فرزانہ بھی پریشان ہو گئے ... پہلے تو ان کے لیے مسئلہ تھا صرف خود کو بچانے کا ... اب اپنے ساتھ صابر کیرا کو بھی بچانا پڑ گیا تھا... اسی وقت دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا:

"آخر ہم سے ایسا کیا جرم ہو گیا ہے کہ آپ اکٹھے چاروں کا خون بہانے پر تل گئے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ خود جس شخص کے ملازم ہیں... اسے بھی ساتھ میں مار ڈالنا چاہتے ہیں... اس سے زیادہ عجیب بات بھلا کیا ہوگی... اور بات صرف اتنی سی ہے کہ تم اپنا نام عزیز احمد بتاتے ہو... اور صابر کیرا صاحب کو بھی یہی نام بتایا ہے... لیکن تمہارا اصل نام ہے عدیم زواری ... بس نام میں نے کیا لے دیا کہ تم ہمیں جان سے مار ڈالنے پر تل گئے، ہے کوئی تک... صابر کیرا صاحب ... کیا آپ کو اس میں کوئی تک نظر آتی ہے۔"

"ن نہیں... بالکل نہیں۔" وہ کانپ کر بولے۔

"اللہ کا شکر ہے ... آپ کو بھی اس میں کوئی تک نظر نہیں آئی... لہٰذا محترم عزیز احمد صاحب میں اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں... آپ سو فیصد عزیز احمد ہیں... میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ آپ عزیز احمد نہیں... عدیم زواری ہیں..."

"تم لوگ منہ کیا دیکھ رہے ہو ... ہمیں ان چاروں کو ختم کرنا ہوگا اور ختم کر کے باغ میں دفن کرنا ہوگا... آج کیرا صاحب کے گھر والے بھی دعوت میں گئے ہوئے ہیں۔ وہ صبح سے پہلے واپس نہیں آئیں گے ... ہمیں اپنا کام اُن کے آنے سے پہلے پہلے مکمل کرنا ہوگا... آخر چار آدمیوں کو دفن کرنے کے لیے گڑھا بھی تو کھودنا ہوگا۔ اور پھر اس کے اوپر گھاس ڈالنی ہوگی۔"

"لیکن ہم اتنا مشکل کام کیوں کریں استاد... اس طرح تو ہمیں پولیس کے سوالات کے جوابات بھی دینے پڑیں گے ... کیونکہ ان کا کام تمام کر کے یہاں سے نکل چلیں اور اس طرح غائب ہو جائیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔"

"بات تو تم نے عقل مندی کی کی ہے ... بس تو پھر جلدی سے اپنا..."

عدیم زواری کے الفاظ درمیان میں رہ گئے ... کیونکہ اسی

وقت اسے صابر کیرا کے ہاتھ میں پستول نظر آیا تھا... ان کی نظر بچا کر اس نے بہت ہوشیاری سے جیب سے پستول نکال لیا تھا:

''تت... تت تم لوگ ہاتھ اوپر اٹھا دو۔''

وہ ساکت رہ گئے:

''کیرا صاحب... کبھی پستول چلایا بھی ہے۔'' ندیم زواری طنزیہ ہنسا۔

''ہاں کیوں نہیں... میں تو چھ پستول دیکھ کر گھبرا گیا تھا... خالی ہاتھ میں کیا کر لیتا بھلا۔'' وہ مسکرایا۔

''لیکن صابر کیرا صاحب آپ ایک بات بھول گئے۔''

''اور وہ کیا۔''

''چھ پستولوں کی گولیوں سے بچنا ناممکن ہے۔''

''یہ زندگی اور موت کا کھیل ہے... کس کی موت کس کے ہاتھ سے آتی ہے... یہ کسی کو معلوم نہیں... لیکن اب سوال پیدا ہوگیا ہے... جان بچانے کا... لہٰذا میں تمہیں مہلت نہیں دے سکتا۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کے پستول سے مسلسل گولیاں نکلیں... ادھر انہوں نے بھی فائر کیے تھے... کمرے میں دل دوز چیخیں گونج اٹھیں۔

انہوں نے دیکھا... صابر کیرا اپنی جگہ کے بجائے کمرے کے دوسرے کونے میں کھڑا تھا... اور ندیم زواری اور اس کے ساتھی فرش پر پڑے تڑپ رہے تھے۔

ان تینوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں... یہ سب کچھ اس قدر آناً فاناً میں ہوا تھا کہ کسی کو بھی سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا تھا... صابر کیرا ان پر فائرنگ نہ کرتا تو وہ خود مارا گیا تھا:

''میں پولیس کو فون کرتا ہوں...'' اس کی آواز سے شدید پریشانی جھلک رہی تھی۔

پھر اس نے پولیس اسٹیشن کا نمبر ملایا... اپنا نام بتایا اور پتا بھی بتایا، مختصر طور پر بتایا کہ یہاں سات آدمیوں کا خون ہوگیا ہے۔

یہ بتا کر اس نے موبائل بند کر دیا اور ان سے بولا:

''میں نہیں جانتا... تم کون ہو... یہاں کس سلسلے میں آئے تھے۔ میں تو یونہی چہل قدمی کرتا ہوا اس طرف آ گیا کہ یہاں آوازیں سنیں... تم لوگ اس کمرے سے نکل آؤ... کسی چیز کو ہاتھ نہ لگانا... تاکہ پولیس کی کارروائی میں کوئی خلل نہ پڑے۔''

وہ اس کمرے سے نکل آئے... صابر کیرا نے دروازہ بند کر دیا اور انہیں ساتھ لیے باغ میں آ گیا... وہاں میز کے گرد کئی کرسیاں موجود

تھیں... وہ ان پر بیٹھ گئے:

"ہاں! اب بتاؤ... یہ ندیم زواری کون شخص تھا۔"

"پہلے آپ بتائیں... آپ کے ہاں یہ کب سے ملازم تھے۔"

"ایک سال تو ہو گیا ہوگا... میرے پہلے ملازم نوکری چھوڑ کر چلے گئے تھے... میں نے اخبار میں اشتہار دیا تو یہ لوگ انٹرویو دینے آگئے... بس میں نے انہیں رکھ لیا... کیا معلوم تھا کہ یہ اس قدر خطرناک ہوں گے۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ اپنا اصلی نام سن کر اس قدر طیش میں کیوں آگئے... اگر یہ شخص سزا یافتہ بھی تھا اور یہ اس کے ساتھی تھے... تو بھی اس سے کیا ہوتا ہے... یہ یہاں سے فرار ہو جاتے... آخر یہ تم لوگوں کو قتل کرنے پر کیوں تل گئے تھے۔"

"اس بات پر ہم بھی حیران ہیں... ویسے آپ کیا کاروبار کرتے ہیں، بہت زبردست کوٹھی ہے آپ کی... محل نما کہہ سکتے ہیں۔"

"میری کچھ زمینیں ہیں... پھر میں نے بنکوں کی بہت سی اسکیموں میں پیسہ لگا رکھا ہے... لہٰذا پیسے کی میرے پاس کمی نہیں... شہر میں بہت سے مکانات بنوائے ہوئے ہیں... ان کا کرایہ آتا ہے۔"

"جب تک پولیس نہیں آجاتی... ہم اپنے آنے کا مقصد کیوں

نہ بیان کر دیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں... میں تو خود حیران ہوں... آپ لوگ کون ہیں، کہاں سے آگئے اور اس شخص کو آپ نے کیسے پہچان لیا۔"

"میں آپ کو تفصیل سناتا ہوں..." محمود نے کہا اور ساری بات کہہ ڈالی۔ آخر میں اس نے کہا:

"میں نے اس شخص کی تصویر دیکھی تھی... یہ جیل سے بھاگا ہوا قیدی ہے، اخبار میں اس کا نام بھی چھپا تھا... اور میری یادداشت بہت تیز ہے... بس مجھے یاد آگیا کہ وہ کون ہے... جب اس نے اپنا نام عزیز احمد بتایا تو میرے منہ سے نکل گیا کہ نہیں جناب آپ کا اصلی نام تو ندیم زواری ہے... اب تک یہ اپنا اصل نام چھپائے ہوئے تھا، اس نے سوچا، اس کا پول کھل گیا اور اب اسے پھر جیل جانا پڑے گا... کیونکہ ظاہر ہے، اب یہ بات ہم آپ تک پہنچاتے چنانچہ اس نے ہمیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور پھر آپ آگئے... اس کے بعد کی کہانی تو آپ کو معلوم ہی ہے... ویسے نشانہ آپ کا بھی بہت پختہ ہے۔"

"ہاں! میں نشانے کی مشق کرتا رہتا ہوں... ویسے میں نے نشانے بازی کے کئی مقابلے بھی جیتے ہیں۔"

"اب بات ہو جائے... فیروز آباد والے مکان کی... وہ

مکان آپ کا ہے تو کوئی دوسرا کیسے خالی کرا سکتا ہے اور اوپر ہی اوپر وہاں سے کرائے داروں کو نکال کر اس مکان پر قبضہ کیسے کر سکتا ہے۔''

''معاملہ حد درجے عجیب ہے... میں خود حیران ہوں... آپ کے ذریعے ہی مجھے معلوم ہوا ہے... اب ان کے بارے میں معلوم کروں گا اور پولیس کے ذریعے ان سے مکان خالی کراؤں گا... ویسے میرا اندازہ ہے کہ میرے کاروباری ادارے میں پیچھے ہی پیچھے کوئی کام ہو رہا ہے اور مجھے اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جا رہی... خیر میں اپنے طور پر بھی اس معاملے کی کھوج لگاؤں گا اور اپنے جنرل منیجر مسعود کھوسہ سے بھی بات کروں گا۔''

''کیا نام ہے آپ کے ادارے...''

اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی... ایسے میں پولیس کی گاڑی کے سائرن سنائی دینے لگے... صابر کھیرا فوراً اٹھ کھڑا ہوا:

''پولیس آگئی... آیئے وہاں چلتے ہیں۔''

وہ فوراً کوٹھی سے باہر نکل آئے... پولیس والے گاڑی سے اتر رہے تھے... ایک سب انسپکٹر صابر کھیرا پر نظر پڑتے ہی اس کی طرف لپکا:

''کھیرا صاحب! یہ آپ نے کیا خبر سنائی۔''

''میری زندگی کا عجیب ترین واقعہ پیش آیا ہے... اور یہ لوگ اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں۔'' اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ کون لوگ ہیں۔''

''ابھی میں نے ان کے نام نہیں پوچھے... یہ لوگ بھی بے چارے مفت میں مارے جاتے اور میں بھی... وہ تو بس اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرما دی... اور میں نے عین وقت پر پستول نکال لیا۔''

''پہلے کمرہ واردات پر ایک نظر ڈال لوں... پھر بیٹھ کر تفصیل سنوں گا۔''

''ٹھیک ہے۔''

وہ کمرے میں آئے... اور دروازے پر ہی رک گئے... سب انسپکٹر نے مرنے والوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا... پھر کچھ دیر بعد بولا:

''کیا ان لوگوں نے آپ پر فائر کیے تھے۔''

''ان کے ہاتھ فائر کرنے کے لیے ٹریگر دبانے والے تھے... اس سے بس ایک سیکنڈ پہلے میں مسلسل ٹریگر دباتا چلا گیا۔''

''ہوں... آیئے... میرا عملہ یہاں اپنا کام کرے گا... میں باہر بیٹھ کر تفصیل سن لوں۔''

مکان آپ کا ہے تو کوئی دوسرا کیسے خالی کرا سکتا ہے اور اوپر ہی اوپر وہاں سے کرائے داروں کو نکال کر اس مکان پر قبضہ کیسے کر سکتا ہے۔"

"معاملہ حد درجے عجیب ہے... میں خود حیران ہوں... آپ کے ذریعے ہی مجھے معلوم ہوا ہے... اب ان کے بارے میں معلوم کروں گا اور پولیس کے ذریعے ان سے مکان خالی کراؤں گا... ویسے میرا اندازہ ہے کہ میرے کاروباری ادارے میں پیچھے ہی پیچھے کوئی کام ہو رہا ہے اور مجھے اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی جا رہی... خیر میں اپنے طور پر بھی اس معاملے کی کھوج لگاؤں گا اور اپنے جنرل منیجر مسعود کھوسہ سے بھی بات کروں گا۔"

"کیا نام ہے آپ کے ادارے..."

اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی ...ایسے میں پولیس کی گاڑی کے سائرن سنائی دینے لگے... صابر کیرا فوراً اٹھ کھڑا ہوا:

"پولیس آگئی... آیئے وہاں چلتے ہیں۔"

وہ فوراً کوٹھی سے باہر نکل آئے... پولیس والے گاڑی سے اتر رہے تھے... ایک سب انسپکٹر صابر کیرا پر نظر پڑتے ہی اس کی طرف لپکا:

"کیرا صاحب! یہ آپ نے کیا خبر سنائی۔"

"میری زندگی کا عجیب ترین واقعہ پیش آیا ہے... اور یہ لوگ اس واقعے کے چشم دید گواہ ہیں۔" اس نے ان کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ کون لوگ ہیں۔"

"ابھی میں نے ان کے نام نہیں پوچھے...یہ لوگ بھی بے چارے مفت میں مارے جاتے اور میں بھی... وہ تو بس اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمادی... اور میں نے عین وقت پر پستول نکال لیا۔"

"پہلے کمرہ واردات پر ایک نظر ڈال لوں... پھر بیٹھ کر تفصیل سنوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ کمرے میں آئے... اور دروازے پر ہی رک گئے... سب انسپکٹر نے مرنے والوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا... پھر کچھ دیر بعد بولا:

"کیا ان لوگوں نے آپ پر فائر کیے تھے۔"

"ان کے ہاتھ فائر کرنے کے لیے ٹریگر دبانے والے تھے... اس سے بس ایک سیکنڈ پہلے میں مسلسل ٹریگر دباتا چلا گیا۔"

"ہوں... آیئے... میرا عملہ یہاں اپنا کام کرے گا... میں باہر بیٹھ کر تفصیل سن لوں۔"

وہ باغ میں آکر بیٹھ گئے:

'' اب بتائیے... اصل معاملہ کیا ہے۔''

'' معاملہ چونکہ ہم سے شروع ہوا ہے... اس لیے ہم ہی ابتداء کر لیتے ہیں۔''

'' چلیے ٹھیک ہے... شروع کریں۔''

محمود نے اپنا اصل تعارف کرائے بغیر فرزانہ کی سہیلی کی پریشانی کے بارے میں بتایا۔ پھر اپنے انکل کے ذریعے گھرانے کی مدد کرنے کے بارے میں بتایا... اس کے بعد جو کچھ ہوا تھا... وہ سب تفصیل سے بتایا... پھر صابر کیرا سے ملنے کا ارادہ لے کر یہاں آنا اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، وہ بتایا... سب انسپکٹر ساتھ ساتھ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔ محمود کے خاموش ہونے پر اس نے صابر کیرا کی طرف دیکھا:

'' آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں۔''

'' میرا بیان بھی بالکل یہی ہے اور ہوا بھی اسی طرح ہے۔''

'' ہوں... اب آپ بتائیں، آپ ندیم زواری کو کیسے جانتے تھے۔'' سب انسپکٹر نے محمود سے پوچھا۔

'' میں نے تو اخبار میں اس کی تصویر دیکھی تھی... اس کی تصویر جیل حکام نے کئی دن تک چھاپی تھی... لیکن اس قیدی کا پولیس

کوئی سراغ نہیں لگا سکی تھی... میں وہ خبریں بھی پڑھتا رہا تھا... یہ تقریباً ایک سال پہلے کی بات ہے... اب جب میں نے یہاں اسی شخص کو دیکھا اور اس نے اپنا نام عزیز احمد بتایا تو میرے منہ سے نکل گیا... نہیں! آپ کا نام ندیم زواری ہے... اس پر وہ چونک اٹھا اور ہمیں اندر لے آیا... اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہم پر حملہ کرنا چاہا... گویا وہ ہر حال میں چھپانا چاہتا تھا کہ اس کا نام ندیم زواری ہے۔''

'' ہوں! صابر کیرا صاحب! آپ نے جیل سے بھاگے ہوئے ایک شخص کو اور اس کے ساتھیوں کو کیسے ملازم رکھ لیا۔''

'' مجھے کیا معلوم تھا...'' صابر کیرا نے کہا۔

'' لیکن ابھی دنوں تو اس کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوتی رہی ہیں۔''

'' میں اخبارات کا مطالعہ صرف سیاسی خبروں کی حد تک کرتا ہوں اور بس۔'' اس نے کہا۔

'' میرے اس کیس کا تو پھر مکان خالی کرانے والوں سے کوئی تعلق نہیں بنتا... لہٰذا اس سمت میں کوئی جرم ہوا ہے یا ہو رہا ہے تو وہ اس علاقے کی پولیس جانے... میں تو یہاں ہونے والی واردات کی

رپورٹ درج کروں گا... اور آپ کے بیانات لوں گا... عدالت میں آپ لوگوں کی گواہی کی ضرورت پڑی تو بلواؤں گا... اس کیس میں اس بات میں تو کوئی شک ہے ہی نہیں کہ آپ نے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ان پر فائرنگ کی... کیونکہ یہاں پستول بھی موجود ہیں اور ان پر ان لوگوں کی انگلیوں کے نشانات موجود ہیں... نہ صرف یہ بلکہ چلائی گئی گولیاں بھی موجود ہیں۔"

اس کے بعد اس نے ان کے بیانات پر ان کے دستخط لیے اور انہیں جانے کی اجازت دے دی:

"آپ کی طرف سے بھی ہمیں اجازت ہے۔"

"ہاں بالکل ویسے اس واقعے کی نسبت سے آپ مجھے یاد رہیں گے۔" صابر کیرا نے مسکرا کر کہا اور وہ ان سے ہاتھ ملا کر باہر آ گئے۔

"اب کیا کریں۔" محمود نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔

"اللہ کا شکر ادا کرو کہ جانیں بچ گئیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"میرا مطلب ہے... اس سارے معاملے میں بہت ہی عجیب باتیں جمع ہو گئی ہیں، اس طرح یہ ایک سنسنی خیز کیس بن گیا

ہے... کیا تم لوگ اس کی تہہ میں نہیں جانا چاہو گے۔"

"تم کہتے ہو تو جا لیتے ہیں۔"

"نہ بھئی سب سے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ آخر یہ... رائف کارپوریشن کیا ہے، اس کے ملازم لوگوں کو دھمکیاں کیوں دیتے ہیں، انہیں شائی کی والدہ کا مکان خالی کرانے کا کیا حق تھا... ہم اس کارپوریشن کے منیجر سے ملاقات کرتے ہیں اور اس کے سامنے یہ سوالات رکھتے ہیں... اگر اس نے تسلی بخش جواب نہ دیے تو پھر اس کے گرد گھیرا تنگ کیا جائے گا۔"

"لیکن یہ کام شروع کرنے سے پہلے ابا جان سے مشورہ کیوں نہ لے لیا جائے۔"

"مشورے میں تو بہت بھلائی ہے... چلو پہلے گھر چلتے ہیں۔"

وہ گھر پہنچے... دروازہ خود انسپکٹر جمشید نے کھولا... ان پر نظر پڑتے ہی بولے:

"کوئی معرکہ مار کر آ رہے ہو کیا۔"

"جی ہاں! کوئی ایسا ویسا... بس یوں سمجھ لیں... زندگی اور موت کا معرکہ تھا، لیکن ہمیں اس میں کچھ نہیں کرنا پڑا۔"

"خوب خوب! تفصیل سنانے کے لیے سب بے چین نظر آتے

ہو... اندر آ جاؤ۔ چائے کے دوران تمہاری بات سن لیتے ہیں۔"

وہ صحن میں آ گئے... اسی وقت بیگم جمشید چائے کی ٹرے لے آئیں۔ اب محمود نے کہانی شروع کی... جونہی اس کے منہ سے ندیم زواری کا نام نکلا... انسپکٹر جمشید اچھل پڑے۔

"اوہ... ندیم زواری۔"

☆☆☆☆☆

جیل میں

انہوں نے حیران ہو کر اپنے والد کی طرف دیکھا... ادھر بیگم جمشید نے برا سا منہ بنایا:

"شروع ہو گیا کیس... اب تو یہ چائے بھی شاید ہی پی جائے گی۔"

انسپکٹر جمشید ان کی بات سن کر مسکرائے اور پھر بولے:

"فکر نہ کرو بیگم... چائے تو ہم پئیں گے... ہاں محمود کہانی سناتے چلے جاؤ... یہ بہت زیادہ دلچسپ ہے۔"

محمود سناتا چلا گیا... آخر کہانی مکمل ہو گئی... تب انسپکٹر جمشید بولے:

"بہت خوب... اب تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے۔"

"ہم ذرا راغب کارپوریشن تک جانا چاہتے ہیں۔"

"ہوں ٹھیک ہے... ویسے کیا خیال ہے... میں تمہیں اس

کیس میں کھلی چھٹی نہ دے دوں، تم جو جی میں آئے کرو... لیکن اب تم جو کام بھی کرو گے.. اپنے اصل حلیوں میں کرو گے... کیونکہ اس معاملے کے شروع میں ہی سات لاشیں گر چکی ہیں۔''

''ابا جان! وہ تو ان لوگوں کی وجہ سے ہوا... نہ وہ خنجر نکالتے نہ صابر کمیرا اس حد تک جاتے... زیادہ سے زیادہ ان لوگوں کو پولیس کے حوالے کیا جاتا۔''

''ہاں! اچھی بات ہے... تم ٹھیک کہتے ہو... پھر بھی میرا خیال ہے... ہر قدم پر احتیاط کرنا ہوگی... ورنہ تم کسی اندھیرے کے تیر کا شکار ہو سکتے ہو۔''

''ارے باپ رے... آپ تو ہمیں ڈرا رہے ہیں۔''

''نہیں! صرف محتاط رہنے کے لیے یہ بات کہہ رہا ہوں۔'' وہ مسکرائے۔

''اچھی بات ہے... اس کیس پر اب ہم کل کام شروع کریں گے۔''

''میرا مشورہ بھی یہی ہے۔''

پھر دوسرے دن وہ راقب کارپوریشن کے دفتر پہنچ گئے... محمود نے کاؤنٹر کلرک سے کہا:

''ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے... اور ہم کارپوریشن کے جنرل منیجر سے ملنا چاہتے ہیں۔''

''کیا کہا... محکمہ سراغرسانی سے۔'' اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں!''

''لیکن آپ تو بچے ہیں نا۔''

''آپ کے خیال میں۔'' فاروق مسکرایا۔

''میرے خیال میں، کیا مطلب؟''

''اکثر لوگوں کے خیال میں ہم بچے نہیں ہیں... اگر ہیں تو بھی خطرناک بچے ہیں...''

''پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں... میں منیجر صاحب سے پوچھ لیتا ہوں... اجازت مل گئی تو آپ کو اندر بھجوا دوں گا۔''

انہوں نے کچھ نہ کہا... اس نے فون پر بات کی، پھر بولا

''آئیے! میں آپ کو ان کے کمرے تک پہنچا آتا ہوں۔''

وہ اس کے ساتھ چلتے عمارت کے اندرونی حصے میں پہنچ گئے... کافی بڑی عمارت تھی اور اس میں بیسیوں کمرے تھے۔ تمام کمروں میں لوگ کام کرتے نظر آئے... ایک کمرے کے دروازے پر

جنرل منیجر اپر جنرز کے نام کی تختی لگی نظر آئی۔ کلرک نے دروازے پر تین بار ٹھک ٹھک کی، پھر دروازے کو دھکیل دیا:

"اندر چلے جائیں۔"

ادھر وہ اندر داخل ہوئے، ادھر کمرے کا دروازہ خود بخود بند ہو گیا۔ انہوں نے دروازے کی طرف مڑ کر دیکھا بھی نہیں... اندر ایک بھاری بھرکم آدمی بہت بڑی میز کے دوسری طرف بیٹھا تھا... اس کی مونچھیں بہت بڑی اور خوفناک تھیں... چہرہ بھی بہت بڑا سا تھا۔ موٹی موٹی آنکھیں باہر کو ابلی ہوئی سی نظر آتی تھیں... میز کے گرد کئی کرسیاں موجود تھیں:

"سکندر بخت سے کیا کام آن پڑا آپ کو... ویسے مجھے تو آپ محکمہ سراغرسانی کے بالکل نہیں لگتے۔"

"شکریہ سکندر بخت صاحب! آپ ہمارے کارڈ دیکھ کر اپنا اطمینان کر سکتے ہیں۔"

"وہ تو خیر میں کروں گا۔"

انہوں نے اپنے خصوصی کارڈ سامنے کر دیے۔ یہ کارڈ انہیں باقاعدہ محکمہ سراغرسانی کی طرف سے جاری کیے گئے تھے... ان کی رو سے وہ محکمہ سراغرسانی کے تنخواہ دار ملازم نہیں تھے، لیکن اس کے

علاوہ انہیں ملازمین کے تمام حقوق حاصل تھے۔

سکندر بخت ان کارڈوں کو کافی دیر تک حیرت زدہ نظروں سے دیکھتا رہا، پھر بولا:

"کیا آپ کے والد محکمہ سراغرسانی میں ہیں۔"

"آپ کا اندازہ درست ہے۔"

"تب پھر ان کا نام انسپکٹر جمشید ہے... یہی بات ہے۔"

"جی ہاں۔" محمود بولا۔

"آپ لوگ تو پھر بہت مشہور و معروف لوگ ہیں... مجھ سے آپ کو کیا کام آن پڑا۔"

"راقب کارپوریشن کیا کیا کام کرتی ہے۔"

"یہ صرف لوگوں کو آسان شرائط پر قرضے دیتی ہے۔"

"کوئی قرض واپس نہ کر سکے تو آپ کا ادارہ کیا کرتا ہے۔"

"ہماری شرائط میں لکھا ہے، ایسے شخص کے مکان پر قبضہ کر لیا جائے گا... آپ ہمارے ادارے کے اشتہارات وغیرہ دیکھ سکتے ہیں۔"

"اگر قرض لینے والا شخص کرائے کے مکان میں رہتا ہو تب ادارہ کیا کرے گا۔"

"اس صورت میں کوئی ذمے دار آدمی اس بات کی ضمانت

لے گا کہ وہ مقررہ مدت میں قرض کی رقم سود سمیت ادا کرے گا... نہیں کرے گا تو ادارہ ضمانت دینے والے کے مکان پر قبضہ کر لے گا یا پھر ضامن قرض کی رقم ادا کرے گا۔"

"شکریہ! صورت حال یہ ہے کہ ایک سال پہلے ایک خاتون نسیم بیگم نے آپ سے پچاس ہزار روپے قرض لیے تھے... ابھی دو دن پہلے اس خاتون کو دھمکی دی گئی کہ قرض ادا کر دیں ورنہ آپ کو مکان سے نکال باہر کیا جائے گا... خاتون ابھی رقم کا انتظام نہیں کر سکی تھی... مقررہ تاریخ کو آپ کے آدمی کرایہ لینے کے لیے پہنچ گئے... اس خاتون کی لڑکی ہماری بہن کی کلاس فیلو ہے... اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی... ہم نے اپنے ایک انکل کے ذریعے کرائے کی رقم کا انتظام کر دیا۔ آپ کے آدمی رقم لے کر چلے گئے۔"

"یہ تو بہت اچھی بات ہوگئی۔" سکندر بخت نے خوش ہو کر کہا۔

"اچھی بات نہیں ہوئی نا... رقم لے کر تو وہ چلے گئے... لیکن دوسرے دن پھر آ گئے۔" محمود نے بتایا۔

"کیا مطلب... پھر کیوں؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"انہوں نے آ کر کہا... تم لوگوں کو یہ مکان خالی کرنا پڑے

گا... یہاں کوئی اور رہے گا۔ تمہیں اس مکان کے بدلے میں اس سے بہتر اور کم کرائے کا مکان ہم دے رہے ہیں... وہ دو غیر محفوظ ماں بیٹی ہیں... جھگڑوں سے الگ رہنے کی خواہش مند، انہوں نے دوسرے مکان میں جانا منظور کر لیا... لیکن ساتھ میں یہ بات ہمیں بھی بتا دی... ہمارا آپ سے سوال ہے... آپ کے آدمی کرائے کا کوئی مکان اس طرح کیسے خالی کرا سکتے ہیں... وہ مکان تو ہے ہی کسی اور کا۔"

"بالکل نہیں کرا سکتے... اس معاملے میں ضرور کسی ملازم کا اپنا کوئی چکر ہے... ادارے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہو سکتا... میں اس کی انکوائری کراؤں گا... ویسے بھی آپ جانتے ہی ہیں کہ قرض وصولی یا ریکوری کے سیکشن میں غنڈے ٹائپ لوگوں کو ہی رکھا جاتا ہے... ہم ہی نہیں بڑے بڑے اور مشہور بنک بھی ریکوری کیلئے غنڈوں کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔"

"کیا ایسے لوگوں کے ذریعے وصولیاں کروانا اور مقروض لوگوں کو ڈرانا دھمکانا غیر قانونی نہیں ہے۔"

"ہرگز نہیں... نہ تو ان کے خلاف کوئی مقدمہ ہے اور نہ کوئی ایف آئی آر درج ہے۔"

"لیکن بدمعاش تو ہیں نا یہ لوگ..."

''ہماری اور آپ کی نظر میں... قانون کی نظر میں اس وقت تک بے گناہ اور شریف شہری ہیں جب تک ان پر کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے۔''

''پھر بھی اس قسم کی حرکتوں سے... یعنی کسی کے کرائے کے مکان پر قبضہ کیا جائے... آپ کا ادارہ بھی تو بدنام ہوتا ہے۔''

''ہاں... یہ بات تو ہے... میں نے کہا نا...

''خیر... پھر بھی آپ ان لوگوں کو بلائیں... جنھوں نے رقم وصول کی ہے... وہ مکان فیروز آباد میں ہے... آپ اپنے ریکارڈ میں دیکھیں، تین دن پہلے فیروز آباد کے کون سے مکان کی رقم آئی ہے... جن لوگوں نے وہ حاصل کی ہے... انھیں یہاں بلوائیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' یہ کہہ کر سکندر بخت نے ایک بٹن دبایا۔ جلد ہی ایک شخص کمرے میں داخل ہوا:

''شیراز جان کو بھیجو... وصولیوں کا رجسٹر لے کر آئے۔''

''اوکے سر۔''

ایک منٹ بعد ایک شخص ایک رجسٹر اٹھائے اندر داخل ہوا... وہ دبلا پتلا اور سانولے سے رنگ کا آدمی تھا اور سیدھا سادہ سا لگتا تھا:

''آؤ شیراز جان! تین دن پہلے فیروز آباد کی خاتون نسیم بیگم

سے پچاس ہزار روپے کی وصولی ہوئی ہے۔''

''جی ہاں سر۔''

''وصولی کرنے کون کون گیا تھا۔''

''میں دیکھ کر بتا سکتا ہوں سر۔''

''ہاں ہاں دیکھو۔''

وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے رجسٹر کھولا اور اس میں دیکھ کر بولا:

''نواز علی، خادم حسین، اشرف تنویر اور صوفی ریاض... یہ چار گئے تھے۔''

''ٹھیک ہے... انھیں یہاں بھیج دو۔''

''یہ چاروں تو آج دفتر ہی نہیں آئے سر۔''

''کیا!!'' مارے حیرت کے سکندر بخت کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں سر۔''

''ان کے موبائل نمبروں پر رابطہ کرو... ان سے کہو... دفتر میں ان سے کچھ کام ہے لہٰذا فوراً چلے آئیں۔''

''جی بہتر۔''

اب اس نے رجسٹر میں دیکھ دیکھ کر ان موبائل فونوں پر رابطہ

کرنا شروع کیا... آخر اس نے کہا:

"چاروں کے موبائل بھی بند ہیں۔"

"ٹھیک ہے... ان کے گھروں پر کسی کو بھیج کر پیغام دے دو کہ کل صبح نو بجے یہ تمام کام چھوڑ کر دفتر آجائیں۔"

"بہت بہتر سر۔"

اب سکندر بخت ان کی طرف مڑا:

"آپ کل آکر ان سے مل لیں۔"

"اچھی بات ہے... لیکن اس سے کہیں بہتر رہے گا کہ آپ ان کے پتے ہمیں دے دیں... ہم آج ہی ان چاروں سے مل لیتے ہیں۔"

"اس طرح تو آپ کو بہت زحمت ہو گی۔"

"ہم اپنے کام کو زحمت نہیں خیال کرتے۔"

"اچھی بات ہے... شیراز جان... ان چاروں کے پتے انہیں دے دو۔"

"جی اچھا۔"

اس نے ایک کاغذ لیا اور چاروں کے پتے لکھ کر دے دیے۔

انہوں نے پتوں والا کاغذ لیا اور سکندر بخت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے

باہر نکل آئے... اب وہ پہلے پتے پر پہنچے... یہ نواز علی کا تھا... گھر کے دروازے پر تالا لگا نظر آیا... ساتھ والے گھر کے دروازے پر دستک دی گئی... اس گھر کے مالک نے باہر آکر بتایا کہ وہاں نواز علی نامی شخص اکیلا رہتا ہے... کل سے تالا لگا کر کہیں گیا ہوا ہے... کسی کو کچھ بتا کر بھی نہیں گیا۔"

باقی تین گھروں کے دروازوں پر بھی تالے نظر آئے... ان کے بارے میں بھی کوئی کچھ نہ بتا سکا... صرف اتنا پتا چلا کہ اکیلے رہتے ہیں اور مکان بھی کرایے کے ہیں۔

اب تو وہ بہت پریشان ہوئے... لگے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے۔ آخر فرزانہ نے کہا:

"اب کیا کریں۔"

"ہم بھول رہے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"چلو یاد کرا دو۔" محمود نے منہ بنایا۔

"وہ شخص جسے شاہ کا گھر دیا گیا ہے۔"

"اوہ ہاں۔"

اب وہ شاہ کے پہلے گھر پہنچے... یہ دیکھ کر ان کی حیرت کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کہ وہاں بھی تالا لگا تھا... اور آس پاس کے کسی فرد

کو کچھ معلوم نہیں تھا:

"یہ کیا بات ہوئی..." مارے حیرت کے محمود کے منہ سے نکلا۔

"بلکہ یہ بہت زیادہ حیرت انگیز بات ہو گئی۔"

"اب ... اب ہم کیا کریں... ہمارے پاس اب کون سا راستہ رہ گیا ہے۔"

"ہمیں صابر کیرا کے گھر میں مارے جانے والوں کا ریکارڈ دیکھنا ہوگا ... کم از کم ان میں سے ندیم زواری کے بارے میں تو ہم بہت کچھ معلوم کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ جیل سے بھاگا ہوا مجرم تھا... جیل سے اس کا ریکارڈ حاصل کیا جا سکتا ہے ... آخر وہ کس جرم میں جیل گیا تھا... اس کے تینوں ساتھی کون لوگ تھے... کیا وہ بھی مفرور قیدی تو نہیں ہیں۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"اوہ ہاں۔" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"بس تو پھر ہماری اگلی منزل جیل ہے۔"

"ارے باپ رے ..." فاروق بوکھلا اٹھا۔

"اوہو بھائی... کیس کے سلسلے میں..." محمود نے اسے گھورا۔

"اللہ کا شکر ہے۔"

محمود نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے، ان کی آواز سن کر بولا:

"انکل! محمود بات کر رہا ہوں۔"

"مجھے معلوم ہے۔" دوسری طرف سے ہنس کر کہا گیا۔

"شش شکریہ انکل! بات دراصل یہ ہے کہ ہم جیل جانا چاہتے ہیں۔"

"ہائیں! کیا جرم کر بیٹھے۔"

"اللہ کا شکر ہے ... ایسی کوئی بات نہیں... ایک مفرور قیدی کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔"

"اب سمجھا! تو ٹھیک ہے... میں جیل حکام کو فون کر رہا ہوں۔"

"کیا ہم آپ کے فون کا انتظار کریں۔"

"نہیں... بس جیل کے لیے روانہ ہو جاؤ ... جیلر صاحب اپنے دفتر میں موجود ہیں... ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی ان سے علیک سلیک ہوئی ہے ..."

"اوہ تب تو ٹھیک ہے۔"

وہ جیل کے دروازے پر پہنچے تو ان کے بارے میں پہلے ہی ہدایات مل چکی تھیں... لہٰذا انہیں فوراً جیلر صاحب کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ان کا نام سلمان بختوری تھا:

"السلام علیکم۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"وعلیکم السلام! آئیں بھئی! آپ ہی کا انتظار تھا..."

وہ کرسیوں پر بیٹھ گئے... سلمان صاحب چہرے سے بھی خوش مزاج نظر آئے... وہ ان سے پہلی بار مل رہے تھے... غالباً یہ ایک آدھ ماہ پہلے ہی آئے تھے:

"آپ کو زحمت دینے پر معذرت چاہتے ہیں۔"

"زحمت کیسی... ہم سب لوگ تو ملک و ملت کے لیے کام کرتے ہیں... اور آپ لوگوں کی خدمات تو قابل رشک ہیں... مجھے آپ لوگوں سے عقیدت ہے۔"

"بہت بہت شکریہ! ایک سال پہلے جیل سے ایک قیدی فرار ہوا تھا۔ اس کا نام عدیم زواری ہے، ہمیں اس کی فائل درکار ہے۔"

"اتفاق سے فائل میرے پاس ہی ہے... جب میں نے ٹی وی پر دیکھا کہ کسی صابر کیرا کے گھر میں یہ شخص مارا گیا ہے... تو میں نے فائل نکلوائی تھی اور اسے پڑھا بھی ہے... یہ لیں... آپ بھی

پڑھ لیں۔" اس نے میز کی دراز کھول کر اس میں سے فائل نکال کر ان کی طرف بڑھائی۔

"شکریہ انکل! کیا یہ فائل ہمیں ایک دن کے لیے مل سکتی ہے... کل یہ آپ کو واپس مل جائے گی۔"

"میں پہلے اس بارے میں شیخ صاحب سے بات کر لوں۔" انہوں نے کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔"

سلمان بختوری نے آئی جی صاحب کے نمبر ملائے، سلسلہ ملنے پر انہوں نے فائل کے بارے میں بتایا... دوسری طرف سے کہا گیا:

"آپ انہیں فائل کی فوٹو کاپی تیار کروا دیں... ان کا کام تو فوٹو کاپی سے بھی چل جائے گا... اور آپ کو فائل کے بارے میں پریشانی بھی نہیں ہوگی۔"

"یہ زیادہ بہتر رہے گا۔" انہوں نے خوش ہو کر کہا اور فون بند کرتے ہوئے ان کی طرف مڑے:

"وہ کہہ رہے ہیں، فائل کی فوٹو کاپی آپ کو دے دی جائے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اور پھر وہ فائل کی کاپی گھر لے آئے... انسپکٹر جمشید گھر میں ہی تھے... انہیں دیکھ کر مسکرائے، پھر بولے:

"لگتا ہے... جیل سے ندیم زواری کی فائل لے کر آئے ہو۔"

"آپ نے بالکل درست اندازہ لگایا۔"

"اللہ کا شکر ہے۔"

"اور اب تم سیدھے اسٹڈی میں جا کر اس کا تفصیلی مطالعہ کرو گے۔"

"ظاہر ہے ابا جان۔"

"مجھے بھی بعد میں دکھا دینا... تاکہ تم لوگوں کے ساتھ ساتھ میں بھی اس کیس کے بارے میں آگاہ رہوں۔"

"جی اچھا۔"

اور وہ اسٹڈی میں چلے آئے... اب انہوں نے فائل کا مطالعہ شروع کیا۔ وہ پڑھتے چلے گئے... اس طرح انہیں مکمل معلومات حاصل ہوگئیں کہ ندیم زواری گذشتہ سال 14 اگست کے دن جیل سے فرار ہوا تھا... اس روز جیل حکام تمام دن یوم آزادی کے موقع پر وزیر مملکت برائے جیل خانہ جات کے جیل کے دورے اور اس دورے کی تیاروں

کے سلسلے میں مصروف رہے تھے... قیدیوں کی نگرانی مناسب طور پر نہیں ہوسکی تھی... ندیم زواری نے اپنے سیل کی دیوار میں نقب لگائی تھی... اب سوال یہ کہ اس کے پاس نقب لگانے کے اوزار کہاں سے آگئے تھے... جیل حکام اس کا جواب تلاش نہیں کر سکے تھے۔

اور یہ بات محمود، فاروق، فرزانہ کیلئے بہت عجیب تھی... اب رہا یہ سوال کہ ندیم زواری تھا کون... اور جیل کیسے پہنچا تھا، اس کے جواب میں فائل میں انہیں لکھا نظر آیا کہ ندیم زواری اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک بڑے صنعتکار کے گھر ڈکیتی کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا۔ ان سب کو جیل میں ایک ہی سیل میں رکھا گیا تھا۔ ان پر ڈکیتی کا جرم ثابت ہوگیا تھا اور پانچ سال قید کی سزا ہوئی تھی... لیکن ابھی انہوں نے ایک سال ہی گزارا تھا کہ وہ جیل سے فرار ہوگیا۔ فائل میں اس کے ساتھیوں کی تصاویر پر نظر پڑتے ہی وہ بہت زور سے اچھلے:

☆☆☆☆☆

جیل میں

یہ سات وہی تھے جو ندیم زواری کے ساتھ مارے گئے تھے :

'' یہ تو بہت عجیب بات ہو گئی ... یہ ساتوں ایک ساتھ جیل سے بھاگے تھے... انہیں ایک ہی کوٹھی میں ملازمت مل گئی ... کمال ہے ... ہمیں اس معاملے کو کریدنا ہو گا ۔'' محمود نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا ۔

'' دوسری عجیب بات یہ ہے کہ ایک سال پہلے کے اخبارات میں صرف ندیم زواری کی خبر اور تصویر کیوں شائع ہوئی تھی... ان چھ کا ذکر کیوں نہیں تھا ۔'' فاروق نے حیران ہو کر کہا ۔

'' دروازے پر ہماری ملاقات صرف ندیم زواری سے ہوئی تھی ... باقی بعد میں اندر سے نکل کر آئے تھے... ندیم زواری کے چہرے پر نظر پڑتے ہی مجھے اس کا چہرہ یاد آ گیا... لیکن باقی چھ اس وقت نظر آئے ، جب وہ پستول لیے اندر آئے تھے... اس وقت ان کے چہرے

یا ڈھکے ہوئے نہیں آئے ... یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے چہروں میں تبدیلی کر رکھی ہو ۔''

'' خیر... یہ بات تو ایک سال پہلے کے اخبارات سے بھی واضح ہو سکتی ہے ۔''

'' تو چلو پہلے اخبارات ہی دیکھ لیے جائیں... اس طرح ان دنوں ان کے بارے میں جو خبریں شائع ہوئی تھیں... ان کو بھی پڑھ لیں گے ۔'' محمود نے جلدی سے کہا۔

اب انہوں نے باری باری تمام اخبارات کی ویب سائٹیں دیکھنا شروع کیں اور جیل سے فرار ہونے والی تاریخ کے اخبارات نکال لیے ۔ ان میں ساتوں کی تصاویر موجود تھیں... لیکن واضح تصویر صرف ندیم زواری کی تھی۔ باقی چھ کی تصاویر دیکھ کر انہوں نے جان لیا کہ ان چھوں نے حلیوں میں کافی حد تک تبدیلی کر رکھی تھی ۔ البتہ ندیم زواری نے کوئی تبدیلی نہیں کر رکھی تھی... اور محمود اسی لیے ندیم زواری کے علاوہ کسی کو نہیں پہچان پایا تھا۔ تفصیل سے خبریں پڑھنے پر انہیں معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ایک بہت بڑے صنعتکار کے گھر ڈاکا ڈالا تھا... لیکن پکڑے گئے تھے... اس پر تین ماہ تک ان پر مقدمہ چلا ، پھر انہیں سزا سنا دی گئی تھی ۔ جیل میں وہ صرف ایک سال رہے ، پھر فرار

ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ انہوں نے جس کوٹھی میں ڈاکا ڈالا... اس کے مالک کا نام جلال اصفہانی تھا... اور وہ کوٹھی بھی ریوازی ٹاؤن میں تھی... کوٹھی کا نمبر C-30 تھا۔ وہ پکڑے کس طرح گئے تھے۔ اس کی تفصیل اخبارات میں نہیں تھی... بس یہ لکھا تھا کہ رنگے ہاتھوں پکڑے گئے تھے... یہ سب کچھ پڑھنے کے بعد انہوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"اب تک کی معلومات کے بعد بھلا ہم ان سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں؟" محمود کی آواز ابھری۔

"لگتا ہے... ہم ابھی کوئی کام کی بات معلوم نہیں کر سکے۔"

"اس طرح تو ہم ابا جان کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گے، ہمیں کچھ تو کام دکھانا چاہیے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ بات تو ہے... فرزانہ تم کچھ بتاؤ۔" محمود اس کی طرف مڑا۔

"ہم انکل اکرام سے مدد لے سکتے ہیں... ان ساتوں کے بارے میں اگر ان کے ریکارڈ میں کچھ مل گیا تو تفتیش کی گاڑی آگے لڑھک سکتی ہے... دوسرے جلال خان اصفہانی سے ملاقات کی جا سکتی ہے... اس طرح ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ کس طرح پکڑے گئے

تھے۔"

"ٹھیک ہے... لیکن میں یہ بھی سوچ رہا ہوں کہ آخر راقب کارپوریشن کے وہ چاروں آدمی کہاں غائب ہیں... انہوں نے اس مکان میں جس شخص کو ٹھہرایا تھا، وہ بھی غائب ہے... تاکہ اس سے ان چاروں کے بارے میں کچھ معلوم نہ کر سکیں... اس لے لے دے کر بس ہمارے پاس یہی دو راستے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... پہلے میں انکل اکرام سے بات کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر محمود نے اکرام کا نمبر ملایا... آواز سنتے ہی بولا:

"السلام علیکم! ایک سال پہلے آپ اخبارات میں ندیم زواری اور اس کے ساتھیوں کے قتل کی خبریں پڑھ چکے ہوں گے۔"

"بالکل پڑھ چکا ہوں..." اس نے فوراً کہا۔

"کیا آپ کے پاس ان ساتوں کا کوئی کریمنل ریکارڈ ہے... یا ان کے بارے میں معلومات ہیں۔"

"یہ لوگ جلال اصفہانی ڈکیتی کیس میں پہلی بار گرفتار ہوئے تھے... انہوں نے کچھ اور ڈکیتیوں کا بھی اقرار کیا تھا... اور بس اقرار جرم کر لینے کی وجہ سے جلد ہی عدالتی کارروائی مکمل ہو گئی تھی اور انہیں

سزا سنا دی گئی تھی ... لیکن جیل میں انہوں نے بس چند دن ہی گزارے تھے ... کہ فرار ہو گئے ..."

"سوال تو یہی ہے کہ آخر یہ لوگ اس قدر آسانی سے کس طرح فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے؟"

"اس سلسلے میں جیل حکام پر بالکل شک نہیں کیا جا سکتا تھا... کیونکہ ان کے فرار کے وقت جو افسر جیل کے سپرنٹنڈنٹ تعینات تھے... وہ اپنی دیانت داری کے اعتبار سے بہت مشہور تھے... اور یہ بالکل درست بات ہے، ان پر کوئی شک سرے سے نہیں کیا جا سکتا تھا... آئی جی صاحب تک ان کی دیانت داری کا اقرار کرتے نظر آئیں گے ... تم ان سے پوچھ سکتے ہو۔"

"اور ان کا نام کیا تھا؟"

"میاں کمال الدین۔"

"لیکن انکل! جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے دیانت دار ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ جیل کے کچھ اور لوگ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتے۔"

"اس سلسلے میں میاں کمال الدین صاحب سے بات کی گئی تھی ... انہوں نے نہایت ذمے داری سے یہ بات کہی تھی کہ فرار ہونے والوں کی مدد جیل کے کسی ملازم نے نہیں کی ... وہ اپنی مہارت کی بنا پر

بھاگنے میں کامیاب ہوئے بس... خود انسپکٹر صاحب یعنی جمشید سر بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے... یہ سارا معاملہ ان کے علم میں بھی ہے..." یہاں تک کہہ کر اکرام خاموش ہو گیا۔

"ٹھیک ہے انکل... پکڑے جانے سے پہلے آخر وہ شہر میں کہیں رہ رہے تھے ... ان کے پتے مل سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں... لیکن وہ مکان پولیس نے سیل کر دیا گیا تھا... اور آج تک وہ سیل ہی پڑا ہے ... کیونکہ اپنی سزا پوری کرنے کے بعد ظاہر ہے، وہ اس مکان کے مالک تھے... اور وہ وہاں اپنی زندگی پوری کر سکتے تھے... لیکن چونکہ انہوں نے اپنی سزا پوری نہیں کی تھی اور جیل سے فرار ہو گئے تھے، اس لیے وہ اپنے مکان میں نہیں گئے تھے۔"

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات... بس ہمیں اس مکان کا پتا چاہیے... اور سیل توڑنے کی اجازت بھی۔"

"مکان کی چابی، سیل توڑنے کا اجازت نامہ اور پتا میں تم لوگوں کو بھیج دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ انکل! ہم گھر ہی موجود ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

جلد ہی محمد حسین آزاد چابی اور اجازت نامہ انہیں دے گیا۔ کاغذ پر مکان کا پتا بھی لکھا تھا۔ انہوں نے پڑھا... پتا یہ تھا، شام آباد مکان نمبر114۔ تینوں وہاں پہنچے، سیل توڑی اور تالا کھول کر اندر داخل ہوگئے۔ اندر سے سیلن کی بو آرہی تھی، ظاہر ہے، مکان اس وقت سے بند پڑا تھا، جب سے وہ واردات کرتے پکڑے گئے اور بند مکان سے بو نہ آتی تو کیا خوشبو آتی۔

انہوں نے دیکھا، مکان میں چار کمرے تھے۔ اور تقریباً 150 گز جگہ تھی... درمیان میں صحن تھا، صحن کے ساتھ غسل خانہ اور باورچی خانہ تھا اور ساتھ ہی سیڑھیاں اوپر جارہی تھیں۔ چھت پر صحن کے چاروں طرف لوہے کی گرل لگی ہوئی تھی... وہ آگے بڑھے تو دیکھا کہ اس گرل سے ایک رسی نیچے تک لٹک رہی تھی۔ رسی موٹی اور مضبوط تھی۔ اس میں درمیان میں گرہیں بھی لگی ہوئی تھیں... کمروں میں داخل ہونے سے پہلے ہی ان کی نظریں اس رسی پر جم گئیں:

"اس رسی کے بارے میں کیا خیال ہے۔" فرزانہ کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"اچھی رسی ہے... کافی مضبوط ہے۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"دماغ تو نہیں چل گیا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"ابھی تک تو نہیں چلا۔" اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"محمود تم بتاؤ... اسے تو بس وقت ضائع کرنا آتا ہے۔"

"یہ رسی۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"ہاں! یہ رسی... اور کیا یہاں کئی رسیاں لٹک رہی ہیں۔" فرزانہ نے آنکھیں نکالیں۔

"سامنے کی بات ہے... یہ کام تو ہم بھی کرتے رہتے ہیں... کوئی اس رسی کے ذریعے اوپر سے نیچے آیا ہوگا۔"

"لیکن کیوں اور کب۔"

"اس سوال کا جواب بھی مشکل نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"وہ کیسے؟" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی۔

محمود نے کوئی جواب نہ دیا۔ رسی کے نزدیک چلا گیا... اسے چھو کر دیکھا... پھر سیڑھیوں کی طرف گیا اور اوپر چڑھتا چلا گیا... زینہ اندر سے بند نہیں تھا، لہذا چھت پر آگیا۔ اس کے پیچھے فرزانہ اور فاروق بھی چھت پر آگئے۔ محمود نے گرل کا جائزہ لیا۔ پھر ان کی طرف مڑتے ہوئے بولا:

"میں یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ رسی کے ذریعے

کوئی آج کل ہی میں نیچے اترا ہے..."

"اور یہ بات تم دعوے سے کیسے کہہ سکتے ہو۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جانے کا ارادہ ہے کیا۔" محمود گھبرا گیا۔

"میری بات کا جواب دو۔"

"رسی پر کوئی مٹی نہیں ہے... اگر یہ کافی دنوں یا کافی مدت پہلے گرل سے لٹکائی گئی تھی تو اس پر گرد ہونی چاہیے تھی۔"

"بہت خوب! تمہاری یہ بات دل کو لگتی ہے۔" فرزانہ نے خوش ہو کر کہا۔

"اس کی بات اور تمہارے دل کو نہ لگے۔" فاروق جل گیا۔

"اب سوال یہ ہے کہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تاکہ ہم ان کے بارے میں کچھ نہ جان سکیں... اس طرح سے اس مکان سے ہر وہ چیز اڑا لی گئی جس کے ذریعے ہم کچھ جان سکتے۔"

"اوہ؟" فاروق اور فرزانہ کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ضرور یہی بات ہے۔" فاروق نے فوراً تائید کی۔

"اس کا مطلب ہے... ان کا کوئی اور ساتھی بھی تھا... وہ گرفتار نہیں ہو سکا تھا... ظاہر ہے وہ فوراً روپوش ہو گیا ہوگا۔ اب جب اس نے ان کے قتل ہونے کی خبر پڑھی ہوں گی تو اس نے پہلا کام یہ کیا کہ یہاں آیا اور ایسی ہر چیز سمیٹ لے گیا جس کے ذریعے ہم اس تک پہنچ سکیں... سوال یہ ہے کہ وہ اس مکان کی چھت پر کیسے پہنچا ہوگا۔" محمود یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ تو اب ہم دیکھیں گے... اور چاروں کمروں کی تلاشی بھی لیں گے... ہو سکتا ہے... ہم سے پہلے تلاشی لینے والا کوئی چیز چھوڑ گیا ہو... اور وہ چیز اس کی نظروں میں معمولی ہو لیکن ہمارے لیے اہم ثابت ہو جائے۔"

"بالکل ٹھیک... لیکن پہلے ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ وہ چھت پر کیسے پہنچا... چھت سے نیچے تو چلو وہ اس رسی کے ذریعے پہنچا تھا... اور واپسی کا راستہ اس نے سیڑھیوں کے ذریعے طے کیا تھا۔

اب انہوں نے چھت کا جائزہ لیا... پانی کا کوئی پائپ اوپر تک نہیں آ رہا تھا... چھت کے پاس پانی کی نکاسی کے لیے ایک پرنالہ لگایا گیا تھا۔ دائیں طرف ایک مکان کی اونچی دیوار تھی... جب کہ

بائیں طرف اس چھت سے نیچی ایک چھت تھی... اس چھت کو غور سے دیکھا تو وہاں جوتوں کے مدھم نشانات نظر آئے... ویسے ہی نشانات دیوار پر بھی نظر آئے:

"اس کا مطلب ہے... پہلے وہ اس مکان میں داخل ہوا تھا۔ آؤ... چلیں۔"

وہ جلدی سے نیچے اترے اور مکان سے باہر نکل آئے۔ اب محمود نے دائیں طرف والے مکان کے دروازے پر دستک دی... چند سیکنڈ بعد ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر آدمی نظر آیا۔

تینوں کی نظریں اس کے چہرے پر جم گئیں:

"کیا بات ہے... تم مجھے اس طرح کیوں گھور رہے ہو۔"

اس نے حیران ہو کر کہا۔

"تو آپ نے اس نامعلوم شخص کو ساتھ والے مکان میں داخل ہونے کے لیے اپنی چھت سے راستہ دیا تھا۔"

"کیا!!!"

اس کے منہ سے مارے خوف کے نکلا:

☆☆☆☆☆

کان کی لو

تینوں لگے اسے گھورنے۔ آخر محمود نے کہا:

"ہمارا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے۔"

"کیوں مذاق کرتے ہو، تم تو ابھی بچے ہو۔"

"جب ہم یہاں پولیس کو بلائیں گے اور پولیس آپ کو گرفتار کر کے لے جائے گی تو آپکی رائے ہمارے بارے میں بدل چکی ہوگی۔ اس وقت رائے کے بدل جانے کا آپ کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا... اب جلدی فیصلہ کریں... ہم پولیس کو بلائیں یا آپ سیدھی طرح بتاتے ہیں۔"

"تت... تم... کیا پوچھنا چاہتے ہو۔"

"وہ کون تھا... آپ نے اسے کیوں یہ اجازت دی۔"

"اور میں کیا کرتا... وہ تین تھے... ان میں سے ایک نے مجھ پر پستول تان دیا تھا اور وہ دو اوپر چلے گئے تھے۔"

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اگر یہ سچ ہے... تب آپ کا قصور نہیں، لیکن آپ کو پولیس کی مدد کرنی چاہیے... آپ پڑھے لکھے تو ہیں نا۔"

"بالکل ہوں۔"

"ان تینوں کے حلیے تو بتا سکتے ہیں نا۔"

"حلیے... جی نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"انہوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے... وقت بھی رات کا تھا... ان حالات میں میں ان کے حلیے کس طرح بتا سکتا ہوں۔"

"اوہ۔" ان کے چہرے لٹک گئے۔ پھر محمود نے کہا:

"اگر آپ نے جھوٹ نہیں بولا... تب تو ٹھیک ہے... لیکن اگر بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ آپ نے جھوٹ بولا تھا تو ہم پولیس کو ساتھ لے کر یہاں آئیں گے... اور آپ حوالات میں ہوں گے۔"

"میں نے جھوٹ نہیں بولا... بلکہ میں قانون کی مدد کرسکتا ہوں۔"

"بہت خوب! وہ کیسے۔"

"ان میں سے ایک کا چہرہ اچھی طرح نہیں چھپ سکا...

اس کا دایاں کان مجھے نظر آ گیا تھا... اس کے دائیں کان کی لو پر ایک گول دائرہ سا بنا ہوا تھا جیسے کبھی کسی گول چیز سے کٹ گیا ہوا ہو... یعنی زخم بھر گیا لیکن اپنا نشان ہمیشہ کیلئے چھوڑ گیا..."

"بہت خوب! چلئے کم از کم یہ آپ نے ایک بہت کام کی بات بتا دی... اب اس بات کا کسی سے ذکر نہ کیجئے گا... کوئی آپ سے ہمارے بارے میں پوچھے تو اسے صرف یہ بتائیں کہ آپ ہمیں کچھ نہیں بتا سکے... ٹھیک ہے۔"

"میں سمجھ گیا... میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

"بس ٹھیک ہے... ویسے تو امید ہے کہ اب وہ لوگ یہاں نہیں آئیں گے... کیونکہ انہیں یہاں جو کام کرنا تھا، وہ کر چکے ہیں... اس لیے آپ بے فکر ہو جائیں اور اگر کوئی آئے تو آپ ہمیں اس نمبر پر فون کر دیجیے گا... ہم آ جائیں گے۔"

یہ کہہ کر محمود نے اسے اپنا وزیٹنگ کارڈ دے دیا... اور وہ باہر نکل آئے... اب وہ دوبارہ اسی مکان کی طرف آئے... اندر داخل ہوئے تو محمود نے دروازہ بند کرلیا... اب انہوں نے کمروں کو بغور دیکھنا شروع کیا... چاروں کمروں میں بس استعمال کی عام چیزیں موجود تھیں اور کوئی خاص چیز نہیں تھی:

"لگتا ہے، کان کے نشان کے علاوہ ہمارے ہاتھ کچھ نہیں
لگے گا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"مایوسی گناہ ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن فرزانہ ہمیں یہاں کسی بھی قسم کا کوئی سراغ ابھی تو نہیں
ملا۔"

"رسی سے اترنے والا بھی کام تو کرنے آیا تھا۔"

"مطلب یہ کہ وہ ایسی تمام چیزوں کا صفایا کر گیا ہے... جس
کے ذریعے ہم ان کے بارے میں کچھ جان سکتے..."

"خیر ایک چیز تو مجھے نظر آ ہی گئی ہے۔" فاروق چونک کر
بولا۔

"اوہو اچھا! وہ کیا؟" فرزانہ اور محمود نے پرجوش انداز میں
کہا۔

"یہ دیکھو۔" فاروق نے انگلی سے فرش کی طرف اشارہ کیا...
وہاں ایک ننھا سا پیلے رنگ کا ربڑ بینڈ پڑا تھا... اور وہ تھا بھی ٹوٹا ہوا۔

"یہ کیا... یہ تو ربڑ بینڈ ہے... دھت تیرے کی۔" محمود نے
جھلا کر کہا۔

"فاروق اور کوئی کام کی چیز تلاش کرے... ناممکن... تلاش

کیا بھی تو ربڑ کا ایک رنگ... ایسے رنگ سے بچیاں اپنے بالوں کو
باندھ لیتی ہیں... یا نوٹوں کے پیکٹ کے گرد ایسا رنگ لگا دیا جاتا ہے،
بینکوں کے کیشئر عام طور پر یہ استعمال کرتے ہیں۔" فرزانہ نے جلدی
جلدی طنزیہ انداز میں کہا۔

"بالکل ٹھیک... یہی تو سوال ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"یہی تو سوال ہے... کیا مطلب؟" محمود نے حیران ہو کر
کہا۔

"ہاں! آخر یہاں اس رنگ کا کیا کام... یہاں ندیم زواری
اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ رہتا تھا... لڑکی تو یہاں کوئی رہتی ہی نہیں
تھی..."

"اوہ ہاں! یہ تو ہے۔" فرزانہ نے سر ہلایا۔

"تب پھر تم کیا کہتے ہو... کیا ہے تمہارے ذہن میں۔"
محمود نے فاروق کو گھورا۔

"اس سے یہاں آنے والے شخص کا بھی اس رنگ سے کوئی
تعلق نہیں ہو سکتا۔"

"اوہو تو وہی بات ہوگی... یعنی نوٹوں کی گڈی کے گرد لپیٹنے
کے لیے استعمال ہوا ہوگا..." محمود نے جھلا کر کہا۔

’’ڈبل روٹی کی تھیلی کو بھی ایسے ہی ربڑ بینڈ سے بند کیا جاتا ہے...‘‘ فرزانہ مسکرائی۔

’’کیسی باتیں کرتے ہو تم دونوں۔‘‘ فاروق ہنسا۔

’’کیا مطلب؟‘‘

’’وہ تو یہاں ایک سال چند ماہ پہلے رہتے تھے... جیل جانے کے بعد تو انہوں نے ادھر کا رخ کیا ہی نہیں... کیونکہ وہ تو جیل سے بھاگے تھے... جیل سے بھاگے ہوئے اپنے مکان میں کیسے آسکتے تھے... پولیس تو سیدھی ادھر آتی... اور یہ رنگ پرانا نہیں... بالکل نیا ہے... تم اس کی حالت دیکھو...‘‘ فاروق کہتا چلا گیا۔

’’تب پھر یہ اس سے گرا ہے... جو رسی کے ذریعے نیچے اترا تھا...‘‘ فرزانہ نے کہا۔

’’وہ یہاں نوٹوں کی گڈی کے سلسلے میں نہیں آیا تھا... نہ ڈبل روٹی خرید کر یہاں بیٹھ کر ناشتہ کرنے... اسے تو ان چاروں کی ایسی چیزیں سمیٹ کر لے جانا تھیں... کہ کوئی ان کے بارے میں کچھ نہ جان سکے۔‘‘

’’اچھا چلو... اب تم بتا دو... اس رنگ کے بارے میں کیا خیال ہے۔‘‘

’’خیال یہ ہے کہ رسی کے ذریعے اس گھر میں اترنے والا شخص کسی سلسلے میں ایسا رنگ استعمال کرتا ہے...‘‘

’’اوہ۔‘‘ محمود اور فرزانہ کے منہ سے نکلا۔

’’ٹھیک ہے... ہم یہ رنگ سنبھال کر رکھ لیتے ہیں... امید ہے... یہ کام کی چیز ثابت ہوگی۔‘‘ فرزانہ نے کہا۔

ایک بار پھر انہوں نے پورے مکان کا اچھی طرح جائزہ لیا... لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی... جس کے بارے میں وہ کہہ سکتے تھے کہ وہ کام کی چیز ہے۔ آخر تھک ہار کر وہ صرف ربڑ کا رنگ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے... دروازے پر انہوں نے تالا لگا دیا تھا... راستے میں محمود کو خیال آیا۔ اس نے فوراً اکرام کے نمبر ڈائل کیے:

’’ہاں محمود... کیا بات ہے۔‘‘

’’انکل آپ کے ریکارڈ میں ایک چیز دیکھنی ہے۔‘‘ محمود مسکرایا۔

’’کیا چیز۔‘‘ وہ بولا۔

’’کان کی لو پر دائرے نما زخم کا نشان۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

’’انکل! آپ کان کی لو پر دائرے نما زخم کا نشان کے بارے

میں بھی نہیں جانتے۔"

"وہ تو میں جانتا ہوں... لیکن میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"کیا آپ کے ریکارڈ میں کوئی ایسا شخص موجود ہے، جس کے دائیں کان پر ایسا کوئی نشان ہو۔"

"اوہ! اب سمجھا۔"

"تو پھر۔"

"کان کی لو پر زخم کے نشان... والے ہمارے شہر میں تین آدمی ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے... تین جرائم پیشہ آدمی ہیں۔"

"بھئی ہمارے ریکارڈ میں تو جرائم پیشہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔"

"اوہ ہاں انکل... تب پھر کیا آپ ان تینوں کے نام پتے ہمیں دے سکتے ہیں۔"

"ہاں کیوں نہیں... تم دفتر آ رہے ہو یا میں یہ نام پتے کسی کے ذریعے تم کو بھیجوں۔"

"ہم دفتر آ رہے ہیں۔"

"یہ اور اچھا ہے۔"

اور پھر وہ اکرام کے دفتر پہنچ گئے... اکرام پہلے ہی ریکارڈ کھولے بیٹھا تھا:

"آؤ بھئی... یہ دیکھو... یہ ہے پہلا شخص... اس کا نام ہے شاذو کالا۔ پرانا جرائم پیشہ ہے... کئی بار کا سزا یافتہ ہے... آج کل جیل کاٹ کر بالکل فارغ ہے... روزانہ صبح اسے تھانے میں حاضری لگانی پڑتی ہے... لہٰذا اسے تو جب جی چاہے بلایا جاسکتا ہے، ویسے اس کا کہنا ہے کہ یہ گناہوں سے توبہ کر چکا ہے۔"

"اور دوسرا؟" محمود بولا۔

"دوسرے کا نام ہے... کھارا ڈوئی۔ یہ بھی بہت پرانا جرائم پیشہ ہے... کئی بار پکڑا گیا۔ ایک دو بار سزا بھی ہوئی... یہ غائب ہے... گزشتہ مرتبہ سزا کاٹ کر باہر آیا تھا، اس کے بعد سے غائب ہے... پھر اس کا کہیں ذکر سننے میں نہیں آیا۔ تیسرا بارا گوگی ہے... اس نے گناہوں سے توبہ کر لی ہے... اور ایک دکان پر ملازمت کرتا ہے۔"

"گویا ہم ان تین میں سے دو سے ملاقات کر سکتے ہیں... ایک لاپتا ہے۔"

"اس حد تک لاپتا نہیں... اس کا سراغ لگایا جاسکتا ہے...

کیونکہ اس کے چند ٹھکانوں کا مجھے پتا ہے۔"

"تو پھر انکل اسے تلاش کر لیجیے ... لیکن اسے پتا نہ چلے ...
جب یہ نظر آجائے تب ہم اس سے ملاقات کرنا پسند کریں گے اور ہاں!
آپ نے یہ نہیں بتایا کہ پہلا یعنی شاذو کالا کیا کام کرتا ہے اب۔"

"اس نے کسی گھر میں ملازمت کر لی ہے ..."

"ٹھیک ہے ... پہلے آپ کھارا ذوٹی کا پتا کرائیں۔"

"اس کا پتا چل جائے گا انشاء اللہ!"

اب تینوں ثناء کی والدہ کے پہلے گھر کی طرف روانہ ہوئے...
راقب کارپوریشن کے ملازمین نے جس شخص کو یہ مکان دیا تھا، وہ بھی
تالا لگا کر غائب تھا... وہ اس مکان کو بھی اندر سے دیکھنا چاہتے تھے
... اگرچہ وہ شخص وہاں شاید ایک رات ہی رہ سکا تھا... انہوں نے اپنی
ماسٹر کی سے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئے ... بہت ہی مختصر سامان
تھا... چند برتن... ایک چارپائی۔ ایک چھوٹی سی میز اور ایک کرسی ...
اور بس۔ پھر فاروق کی نظر جونہی میز پر پڑی ... اس کے منہ سے مارے
حیرت کے نکلا: "ارے باپ رے۔"

☆☆☆☆☆

ربڑ بینڈ

"اب کیا ہوا! کیا یہاں بھی اڑنے کی کوشش کرو گے۔"
فرزانہ نے منہ بنایا۔

"میں انسان ہوں، پرندہ نہیں۔" فاروق نے اسے گھورا۔

"اچھا کیا بتا دیا۔" محمود فوراً بولا۔

اب دونوں نے اس کی نظروں کے تعاقب میں میز پر
دیکھا... فوراً ہی محمود کے منہ سے نکلا:

"ارے ... ویسا ہی پیلا ربڑ بینڈ یہاں بھی۔"

"اور یہاں ٹوٹا ہوا بھی نہیں ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اس کا مطلب ہے ... یہ گھر راقب کارپوریشن والے ان
چار افراد نے ثناء کی والدہ سے خالی کرا کے ان میں سے کسی ایک شخص
کو دیا تھا جو ندیم زرداری کے گھر سے سراغ غائب کرنے کے ذمے دار
ہیں۔" محمود نے چونکنے کے انداز میں کہا۔

"لگتا تو یہی ہے... ریڈ میڈ بالکل ویسا ہی ہے۔"

"یعنی جس شخص کو اس مکان میں رکھا گیا، اسی کو ندیم زواری والے مکان میں ہاتھ کی صفائی دکھانے کے لیے بھیجا گیا... وہ وہاں کی چیزوں کو سمیٹ لایا... لیکن اپنا رنگ وہاں گرا آیا۔ شاید اس کی نظر میں اس رنگ کی کوئی اہمیت نہیں تھی... مگر نہیں... وہ اس وقت گرا جب وہ واپس جا رہا تھا... اس لیے اس اسے اس کے گرنے کا پتا نہیں چلا... سوال یہ ہے کہ وہ شخص اس رنگ کا کیا کرتا ہے... کیا وہ کوئی لڑکی ہے ...اور ایسے رنگ بالوں میں لگانے کیلئے استعمال کرتی ہے۔"

"لڑکی؟" محمود اور فاروق کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

عین اسی وقت محمود کے موبائل کی گھنٹی بجی... اس نے دیکھا، فون اکرام کا تھا۔ اس کے چہرے پر رونق آ گئی:

"لگتا ہے... کان کی زخمی لو والے کا پتا چل گیا۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے موبائل فون کا بٹن دبا دیا... دوسری طرف سے اکرام نے پرجوش انداز میں کہا:

"تمہارا ڈونی کا پتا چل گیا ہے... وہ اس وقت ہوٹل نمارا کے ہال میں بیٹھا کھانا کھا رہا ہے۔"

"اتنی جلدی کیسے پتا چل گیا... وہ تو لاپتا تھا۔"

"میں نے کہا تھا نا کہ اس حد تک لاپتا نہیں، اس جملے کا مطلب یہ تھا کہ مدت ہوگئی اس کا نام کسی واردات کے سلسلے میں سننے میں نہیں آیا... یعنی اس نے اپنی سرگرمیاں روک دی ہیں... یہ مطلب تھا... یہ نہیں کہ زیر زمین چلا گیا ہے... ہاں یہ تھانے میں حاضری نہیں لگاتا... اس لحاظ سے لاپتا تھا... متعلقہ تھانے والوں کی ذمے داری تھی کہ اس کا سراغ لگاتے اور اسے پابند کرتے... لیکن لگتا ہے کہ اس تھانے والوں نے اس سے کوئی رقم لے کر اسے حاضری معاف کر دی ہے... بہر حال مجھے اس کے پرانے ٹھکانے کا پتا تھا... اس لیے میرے ماتحت نے فوراً ہی اطلاع دے دی کہ وہ اس وقت بھی وہیں ہے۔"

"شکریہ انکل! آپ نے کیا نام بتایا ہوٹل کا۔"

"ہوٹل نمارا... لیکن بھئی یہ اچھے لوگوں کا ہوٹل نہیں ہے... عام طور پر یہاں جرائم پیشہ لوگ ہی آتے جاتے ہیں... اب تم کہو گے کہ پولیس چھاپے مار کر ان لوگوں کو گرفتار کیوں نہیں کرتی... تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے لوگ آتے جاتے ہیں، جن کے بارے میں شک کیا جاتا ہے کہ وہ جرائم پیشہ ہیں... لیکن آج تک کسی واردات کے سلسلے میں پکڑے نہیں گئے، لہٰذا پولیس کے پاس ان کے خلاف کوئی

ثبوت نہیں۔"

"لیکن انکل پھر کھارا ڈونی وہاں کیوں موجود ہے... وہ تو سزا یافتہ ہے۔" محمود نے پوچھا۔

"ہاں! سزا یافتہ لوگ بھی وہاں جاتے ہیں... یہ ایسے ہی ہوتے ہیں جو تھانوں میں حاضریاں لگاتے ہیں یا کافی مدت تک کوئی واردات نہ کرنے کی بنیاد پر تھانے کی حاضری انھیں معاف کر دی جاتی ہے..."

"اچھی بات ہے... ہم وہاں جا رہے ہیں... آپ کے دو ماتحت جنھوں نے یہ اطلاع دی ہے... ہمارے پہنچنے تک وہیں ٹھہریں... ہمیں اس کے بارے میں بتا کر وہ بے شک چلے آئیں۔"

"نہیں محمود!" اکرام بولا۔

"نہیں کیا انکل۔"

"وہ دونوں وہیں رہیں گے، اس لیے کہ یہ ہوٹل خطرناک ہے... اور تم لوگ اندر داخل ہونے کے بعد خطرے میں ہو گے... کیونکہ ہوٹل کی انتظامیہ اس بات کو فوراً نوٹ کرے گی کہ انسپکٹر جمشید کے بچے وہاں آئے ہیں۔"

"تو ہم میک اپ میں چلے جاتے ہیں۔"

"ہاں! یہ بہتر رہے گا... لیکن اس صورت میں تمہارے ساتھ کسی بڑے کو ہونا چاہیے تاکہ یہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ کھانا کھانے آگئے ہیں اور شہر میں انجانے ہیں، اس ہوٹل کے بارے میں کچھ جانتے نہیں۔"

"لیکن مسئلہ کیا ہے... اگر کھارا ڈونی سے سوالات کرنا چاہتے ہو تو اسے یہاں دفتر میں بلایا جا سکتا ہے۔"

"نہیں! اس طرح مزہ نہیں آئے گا... ہم کھلے بندوں میں اس سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"چلو ٹھیک ہے... میرے ماتحت وہاں تمہارا انتظار کریں گے... محمود تم کار سے اتر کر ایسے انگڑائی لینا جیسے بہت لمبے سفر کے دوران بیٹھے بیٹھے تھک گئے ہو اور اب بہت دیر بعد جسم سیدھا کرنے کا موقع ملا ہے... یہ سگنل ہو گا جس سے میرے ماتحت تم کو پہچان لیں گے... ورنہ تمہیں میک اپ میں پہچاننا ان کیلئے ناممکن ہو گا... اور ہاں! میں تمہارا موبائل فون نمبر بھی اسے دے رہا ہوں۔" اکرام نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ اسی وقت خان رحمان کے ہاں پہنچے... ان کی طرف روانہ ہونے سے پہلے انہوں نے انھیں فون کر دیا تھا... اور راستے میں ہی

ریڈی میڈ میک اپ بھی کر لیا تھا... ایسا ریڈی میڈ میک اپ کا سامان کا بیگ ان کی کار کی ڈکی میں ہر وقت تیار رہتا تھا کہ نہ جانے کب کہاں ضرورت پیش آجائے۔ وہ ان کے گھر پہنچے اور چند ہی منٹوں میں خان رحمان بھی ریڈی میڈ میک اپ کے ذریعے بدلے بدلے سے نظر آئے... شہناز بیگم انہیں دیکھ کر مسکرائے بغیر نہ رہ سکیں۔

پھر وہ خان رحمان کی اس گاڑی میں روانہ ہوئے جو عام طور پر مہمات میں استعمال نہیں ہوتی تھی... صرف گھر کے کام کاج کی تھی... جلد ہی وہ ہوٹل نمارا کے سامنے پہنچ گئے... مخصوص اشارہ ملتے ہی ایک طرف سے ایک چنے بیچنے والا "تازہ چنے گرما گرم چنے" کی آواز لگاتا ہوا ان کے قریب آکر اپنا خوانچہ نیچے رکھ کر ان کے سامنے بیٹھ گیا... بیٹھتے وقت اس نے آہستہ آواز میں کہا:

"وہ نیلے لباس میں ہے... کالر پر مصنوعی سرخ گلاب اٹکا رکھا ہے اور میز نمبر 13 پر بیٹھا ہے۔"

"شکریہ!"

"ہم یہیں رہیں گے... کوئی خطرہ محسوس کریں تو میرے موبائل فون پر دال کر کے صرف ایک تل دے دیں... میں آپ کے نمبر پر تل دے رہا ہوں... اس طرح آپ کے پاس میرا نمبر آجائے

گا۔" یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور آگے بڑھ گیا... انداز بالکل ایسا تھا... جیسے چنے نہ بکنے پر مایوس ہو گیا ہو۔

اب وہ ہوٹل کے دروازے کی طرف بڑھے... اسی وقت محمود کے فون کی رنگ ٹون بجی... گویا چنے والے کی کال آگئی تھی... دروازے پر کھڑے بیرے نے انہیں عجیب سی نظروں سے دیکھا... جیسے کہہ رہا ہو:

"کہاں آگئے ہو میاں، یہ جگہ تم لوگوں کے لیے نہیں ہے۔"

وہ منہ سے کچھ نہ بولا... یہ چاروں اندر داخل ہو گئے اور ایک خالی میز کی طرف بڑھے۔ اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ نیلے لباس والا یعنی کھارا ڈونی کہاں بیٹھا ہے... اسی لیے وہ اس کے نزدیک والی میز کی طرف چلے آئے تھے... فوراً ہی ایک بیرا ان کی طرف بڑھا:

"یہ میز بک ہے جی۔"

"اچھی بات ہے... جو خالی ہے... اس پر بیٹھ جاتے ہیں۔"

"آپ اس طرف آجائیں..." اس نے ایک میز کی طرف اشارہ کیا۔

یہ میز نیلے لباس والے کی میز سے کافی دور تھی ... لیکن وہ کر ہی کیا سکتے تھے ... بیٹھ گئے اس پر ... اب انہوں نے دیکھا کھارا ڈونی کھانا کھانے میں اس طرح مگن تھا، جیسے پوری دنیا سے لاتعلق ہو:

"کم از کم ایک گھنٹہ تو ہو گیا ہو گا اسے یہاں آئے ہوئے ... اور کھانا اس نے تھوڑی دیر پہلے شروع کیا ہو گا... گویا اتنی دیر سے یہ اپنا وقت ضائع کر رہا تھا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"ایسے لوگوں کے پاس وقت ہوتا ہی ضائع کرنے کے لیے ہے۔" خان رحمان بولے۔

اسی وقت ایک بیرا ان کے سر پر آ کھڑا ہوا... اور مینو ان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے کچھ چیزیں پسند کیں اور اپنا آرڈر نوٹ کرا دیا۔ ابھی تک انہوں نے کھارا ڈونی کا چہرہ ہی دیکھا تھا ... کیونکہ اس کے چہرے کا رخ ان کی طرف تھا... لیکن اسی وقت اس کے ہاتھ سے کوئی چیز چھوٹ کر نیچے گری ... وہ اسے اٹھانے کے لیے جھکا ... اور اس وقت وہ تینوں بری طرح چونک اٹھے ... جھکنے پر انہیں اس کے لمبے بال نظر آئے تھے... جو گردن پر پونی ٹیل بنا کر ربڑ بینڈ سے باندھے گئے تھے... بلکہ پیلے ربڑ بینڈ سے:

"اوہ... اوہ۔" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

O

انسپکٹر جمشید کی ڈیسک کے انٹرکام ریسیور کی گھنٹی بجی... وہ اپنے دفتر میں موجود تھے۔ انہوں نے دیکھا، ریسیور پر آئی جی صاحب کے نام کے سامنے لائٹ جل بجھ رہی تھی:

"یس سر۔" وہ بولے۔

"جمشید! تم ذرا یہاں آجاؤ۔"

"اوکے سر۔" انہوں نے کہا اور فوراً کمرے سے نکل گئے... وہ شیخ نثار احمد کے کمرے میں داخل ہوئے تو ان کے چہرے پر فکر اور پریشانی کی لکیریں ابھری ہوئی تھیں:

"خیر تو ہے سر۔"

"لگتا تو نہیں ہے... تم بیٹھو اور بات سن لو۔"

"جی بہتر۔"

وہ بیٹھ گئے ... شیخ صاحب کی نظریں ان کے چہرے پر جم گئیں۔ آخر وہ بولے:

"جمشید! تم چاند کے بارے میں جانتے ہو۔"

"جی ... کیا مطلب ... آپ اس چاند کی بات کر رہے ہیں... جس کی دس سال پہلے لاش ملی تھی۔"

''ہاں جمشید۔''

''میں تو اس کے بارے میں بس اتنا جانتا ہوں کہ چاند کے نام سے مشہور اس شخص کا ایک گروہ تھا... وہ شہر میں چوری، نقب زنی اور ڈکیتی کی کارروائیاں کرتا تھا... کبھی یہاں، کبھی وہاں... جہاں بھی یہ گروہ کوئی واردات کرتا، اپنا نشان وہاں ضرور ڈال جاتا... وہ نشان چاند کا ہوتا تھا... پنسل کا بنا ہوا ایک چاند... پولیس کا منہ چڑاتا تھا... اس گروہ کے لوگ آندھی اور طوفان کی طرح آتے تھے اور واردات کر کے پنسل کا چاند بطور نشانی چھوڑ کر چلے جاتے تھے...''

''میں بتاتا ہوں۔'' آئی جی صاحب کے منہ سے نکلا اور انہوں نے سامنے پڑی ایک فائل کھول کر اس میں سے ایک رپورٹ نکالی اور پڑھنا شروع کیا:

''کوئی اس گروہ کے راستے میں رکاوٹ ڈالتا تو یہ لوگ اس قدر بے رحم تھے کہ لاشوں پر لاشیں گرا جاتے تھے... چاند گروہ شہر میں دہشت کی علامت بن گیا تھا... پولیس تنگ آگئی تھی... حیرت کی بات یہ تھی کہ یہ کوئی ثبوت نہیں چھوڑتے تھے... پنسل کے چاند پر بھی کسی کی انگلیوں کے نشانات نہیں ملتے تھے... نہ کمرے میں سے کوئی ثبوت ملتا تھا یا ہوتا بھی ہوگا تو پولیس تلاش نہیں کر پاتی ہوگی... ہمارے

ادارے کا تو چونکہ یہ کیس ہی نہیں تھا... اس لیے ہم خبریں تو ضرور پڑھتے تھے اور پولیس کی ناکام قلابازیوں پر چلتے کڑھتے تھے لیکن کچھ کر نہیں سکتے تھے... بہرحال یہ گروہ پورے ایک سال تک اپنی کارروائیاں کرتا رہا... پھر ایک دن پولیس کو ایک نامعلوم شخص کی طرف سے اطلاع ملی... اور وہ اطلاع یہ تھی کہ آج رانا پیلس میں چاند گروہ ڈاکا ڈالے گا... گروہ کا سرغنہ بھی ساتھ ہوگا... آج یہ گروہ رنگوں ہاتھوں پکڑا جا سکتا ہے... ان الفاظ کے فوراً بعد فون بند کر دیا گیا تھا... یعنی اس نے کوئی سوال پوچھنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی... لیکن بہرحال پولیس کے لیے یہ اطلاع بہت سنسنی خیز تھی... اور بہت دھماکا خیز تھی... آفیسرز نے نہایت دیانت دار پولیس اہلکاروں کی ایک ٹیم منتخب کی... ان میں ہر ایک اہلکار ایسا تھا کہ اس سے کسی غداری کی امید نہیں کی جا سکتی تھی اور پھر انہیں مختلف بھیس بدلوا کر... وقت سے پہلے ہی رانا پیلس کے چاروں طرف دور دور تک پھیلا دیا گیا۔ سینئر آفیسرز اس مہم کی نگرانی کے لیے پہنچ گئے... انہوں نے بھی مورچے قائم کر لیے۔

پھر رات کے بارہ بجے چاند گروہ حملہ آور ہوا... رانا پیلس کے رانا صاحب ان کے گھر کے افراد کو پہلے ہی خفیہ طور پر وہاں سے نکال لیا گیا تھا اور محل میں بھی پولیس ہی پولیس تھی... جونہی چاند گروہ

اندر داخل ہوا... ان پر رائفلیں تان دی گئیں، لیکن وہ گروہ بہت نڈر تھا
... اس نے ہاتھ نہیں اٹھائے... بلکہ فوری طور پر فائرنگ شروع کر دی
... ساتھ ہی بھڑک کر بھاگے... ادھر بھی پولیس موجود تھی... انہوں نے
اس طرف بھی فائرنگ کی... پولیس نے بھی فائرنگ کی... اس طرح
گروہ نے جس طرف سے بھاگنے کی کوشش کی۔ پولیس نے ان کا
استقبال کیا... پولیس نے بار بار اعلان کیا... ہتھیار پھینک کر ہاتھ اوپر
اٹھا دو... لیکن وہ سب لڑنے مرنے پر تلے ہوئے تھے... اس طرح
زبردست دو طرفہ فائرنگ ہوئی... ڈاکو ہر طرح کے جدید اسلحے سے لیس
تھے... اور دلیر بھی بہت تھے... پولیس کے بہت سے جوان کام
آگئے... ڈاکو بھی بہت سے مارے گئے... اندازہ ہے کہ بیس کے قریب
بچ نکلنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ تیس کے قریب مارے گئے۔ گویا وہ
گروہ پچاس کے لگ بھگ ڈاکوؤں پر مشتمل تھا... اس قدر انتظامات کے
باوجود پولیس کے نزدیک بھی اور اخباری دنیا کے حساب میں بھی یہ ایک
ناکام مہم تھی... پولیس کی کامیابی تو اس وقت کی جا سکتی تھی جب کوئی
ایک ڈاکو بھی بچ کر نہ جاتا... خیر... اس کے بعد مرنے والے ڈاکوؤں
کا جائزہ لیا گیا... ان سب ڈاکوؤں کا لباس نیلا تھا... بس ایک سفید
تھا... اور اس کے لباس میں خاص طور پر ہیرے جواہرات لگے ہوئے

تھے... اس نے سر پر سونے کا تاج بھی پہنا ہوا تھا... آج کل کے
زمانے میں سونے کا تاج... حیرت انگیز بات تھی... اس سے اندازہ لگایا
گیا کہ وہی گروہ کا سردار تھا اور چاند اسی کا نام تھا، اس طرح یہ بات
یقینی ہو گئی کہ چاند گروہ کا سرغنہ چاند مارا گیا اور وہ لاش چاند کی لاش
تھی، حکومت کی طرف سے چاند گروہ کے باقی لوگوں کے لیے ٹی وی پر
اور اخبارات پر بار بار اعلانات کیے گئے کہ وہ لوگ خود کو قانون کے
حوالے کر دیں اور اس گروہ کے بارے میں اور گروہ کے سردار کے
بارے میں اطلاعات دیں، انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا، وعدہ معاف گواہ
بنا لیا جائے گا، بس وہ لوٹی ہوئی دولت حکومت کے حوالے کر دیں، ان
تمام اعلانات کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، بھاگ نکلنے والے ڈاکوؤں کی طرف
سے کوئی سن گن نہ ملی البتہ!" آئی جی صاحب یہاں تک پہنچ کر
خاموش ہو گئے... یوں لگا جیسے کوئی خاص بات بتانے والے ہوں۔

"البتہ کیا سر؟" انسپکٹر جمشید نے بے چینی کے عالم میں کرسی پر
آگے کی طرف کھسک آئے۔

لیکن ایسے میں ان کے اس موبائل کی گھنٹی بجی جس پر خاص
مواقعوں پر فون آتا تھا... وہ بری طرح چونکے:

☆☆☆☆

سیاہ فام

"ارے باپ رے! یہ تو وقار ریز یڈنٹ والا ہے... گویا یہی رسی کے ذریعے ان چاروں کے مکان میں داخل ہوا ہوگا... اور ساتھ والے مالک مکان نے اسی کے کان کی لو دیکھی ہوگی..." ایسے میں انہوں نے کھارا ڈونی کو چونکتے ہوئے دیکھا... اس کی آنکھوں میں خوف نظر آیا تھا... یہ دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی۔

"حیرت ہے یہ کس بات سے خوف زدہ ہوا ہے بھلا۔" فاروق بڑبڑایا۔

"شاید اسے کوئی اطلاع ملی ہے۔" فرزانہ بولی۔

"لیکن ہم نے اسے فون کان سے لگاتے نہیں دیکھا۔" محمود نے اسے گھورا۔

"اطلاع کے اور بھی ذرائع ہو سکتے ہیں... ہو سکتا ہے... اس کے کان کے آس پاس کوئی ایسا آلہ لگا ہوا ہو جس کے ذریعے وہ

کسی کا پیغام سن سکتا ہو... وہ دیکھو... وہ اٹھ کر لفٹ کی طرف جا رہا ہے... اٹھو... اگر یہ نکل گیا تو ہم ہاتھ ملتے رہ جائیں گے اور ابا جان ہمارا بہت مذاق اڑائیں گے۔"

"بھلا وہ کیوں ہمارا مذاق اڑانے لگے... انہیں اور تھوڑے کام ہیں بھلا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

وہ اٹھے، کھانے کی چیزوں کے بل کے طور پر پانچ ہزار کا ایک نوٹ ایک پلیٹ کے نیچے رکھا اور تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھے... اس وقت تک لفٹ کا دروازہ بند ہو چکا تھا... لفٹ اوپر جا رہی تھی... انہوں نے دیکھا وہ آخری منزل پر رکی تھی... اب انہوں نے لفٹ کا بٹن دبا دیا۔ جلد ہی وہ لفٹ سے نکل رہے تھے... انہوں نے دیکھا... چاروں طرف کمرے تھے... اور کہیں کوئی نظر نہیں آ رہا تھا... کمروں کے دروازے بند تھے:

"اب کیا کریں..." محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"اس کا مطلب ہے... وہ نکل گیا ہاتھ سے... بڑی مشکل سے ایک آدمی ہاتھ لگنے لگا تھا۔ وہ بھی نکل گیا..." فرزانہ نے افسوس بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن ہم فرزانہ سے کام لے سکتے ہیں۔" فاروق بول اٹھا۔

’’کیا مطلب؟‘‘ محمود چونکا۔

’’فرزانہ جلدی جلدی ان کمروں کے بالکل نزدیک سے گزرتی چلی جاؤ... شاید کسی کمرے میں اس کی آواز سنائی دے۔‘‘

’’اچھی بات ہے... تم یہیں ٹھہرو۔‘‘ فرزانہ نے کہا اور دروازوں کے پاس سے گزرنے لگی... پھر ایک کمرے کے دروازے پر اس کے قدم رک گئے اور آخر اس نے کان دروازے سے لگا دیے، ساتھ ہی ایک سخت آواز سنائی دی:

’’یہ کیا ہو رہا ہے۔‘‘

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی کسی نے فرزانہ کی کلائی پر ہاتھ جما دیا۔ محمود، فاروق اور خان رحمان تیزی سے آگے بڑھے۔ فرزانہ کی کلائی پکڑنے والا ایک سیاہ فام خوفناک آدمی تھا۔ اس کی سرخ سرخ آنکھیں، گویا آگ اگل رہی تھی:

’’اس کا ہاتھ چھوڑیں... ایسا کیا کیا ہے اس نے۔‘‘ خان رحمان گرجے۔

اس نے ان کی طرف دیکھا بھی نہیں، ہاتھ کلائی پر جمائے کھڑا رہا اور بولا:

’’یہ دروازے سے کان لگائے کیوں کھڑی تھی۔‘‘

’’یہ جھوٹ ہے... میں یہاں سے آگے بڑھ رہی تھی۔‘‘ فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

اسی وقت اس کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک سرد آواز گونجی:

’’کیا بات ہے... جونی۔‘‘

’’یہ لڑکی دروازے سے کان لگا کر اندر کی باتیں سن رہی تھی۔‘‘ سیاہ فام نے فوراً کہا۔

’’جھوٹ بالکل جھوٹ۔‘‘ خان رحمان چلائے۔

’’اندر آجائیں... اندر آکر بتائیں... کیا بات ہے۔‘‘ وہ سرد آواز سنائی دی۔

سیاہ فام فوراً اندر داخل ہو گیا۔ ساتھ ہی اس نے دروازہ بند کرنا چاہا... لیکن محمود نے فوراً پاؤں اڑا دیا اور وہ بھی اندر داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے ہی فاروق اور خان رحمان داخل ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا، اندر ایک بہت لمبے قد کا اور دیکھنے میں طاقتور آدمی موجود تھا... وہ ان سب کو باری باری عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا:

’’میں نے آپ سے کہا ہے... اس کی کلائی چھوڑیں... وہ کہیں بھاگی نہیں جا رہی... ہم سب آخر کمرے میں موجود ہیں۔‘‘

’’جونی! لڑکی کی کلائی چھوڑ دو۔‘‘ لمبے آدمی نے کہا۔

''بہت بہتر آقا۔'' وہ غلاموں کی طرح بولا۔

''کیا تم الہ دین کے جن ہو؟''

''کیا کہا۔'' وہ غرایا۔

''دراصل آج کل ملازم اپنے مالک کو آقا نہیں کہتے نا... اس لئے ہمیں عجیب سا لگا۔''

''میں جن تو نہیں لیکن اس سے زیادہ طاقتور ہوں۔'' وہ پھر غرایا۔

''جونی تم باہر اپنی ڈیوٹی پر جاؤ۔'' لمبے قد کے آدمی نے ساتھ ہی ہاتھ کے اشارے سے باہر جانے کیلئے کہا۔

''اچھا آقا۔'' اس نے کہا اور باہر نکل گیا، ساتھ ہی انہوں نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اس پر لمبا آدمی ہنس پڑا... اس نے کہا:

''بہت سخت ہے یہ جونی... ہاں تو اس کا الزام ہے... یہ لڑکی میرے دروازے سے کان لگائے کھڑی تھی۔''

''یہ غلط ہے... یہ کمرے کے دروازے کے پاس سے گزر رہی تھی... ہم تینوں اس سے چند قدم دور تھے... بس ایسے میں اس سیاہ فام نے نہ جانے کس طرف سے نکل کر اس کی کلائی پکڑ لی۔''

''ٹھیک ہے... آپ لوگ کون ہیں... یہاں آخری منزل پر

کیا کرنے آئے تھے... کیونکہ یہاں تو بس پانچ چھ کمرے ہیں... اور ان میں جو لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں... وہ یہاں مستقل طور پر رہتے ہیں... مطلب یہ کہ یہ ہوٹل کے مستقل گاہک ہیں... ہم سب ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں... آپ لوگوں کو تو پہلے کبھی یہاں آتے جاتے نہیں دیکھا۔''

''ہم ایک شخص کی تلاش میں یہاں آئے ہیں... وہ مجرم ہے... وہ نیچے ہال میں بیٹھا تھا... اچانک اٹھ کر لفٹ کے ذریعے اس منزل پر آگیا۔ ہم اوپر آئے اور یہ جاننے کی کوشش میں تھے کہ وہ کہاں غائب ہوگیا کہ آپ کے سیاہ فام نے اس کی کلائی پکڑ لی۔'' خان رحمان جلدی جلدی بولے۔

عین اسی وقت کمرے کا دروازہ زور زور سے دھڑ دھڑایا گیا... وہ سب بڑی طرح چونکے:

''کیا بات ہے جونی۔''

''آقا! باہر پولیس موجود ہے اور ہوٹل کے منیجر بھی۔'' باہر سے آواز آئی۔

''تو پھر کھول دو دروازہ، تم ہی نے تو بند کیا تھا باہر سے۔''

''آپ کی اجازت کی بھی تو ضرورت تھی۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا... ساتھ ہی آواز سنائی دی:

"یہی ہیں وہ لوگ... جو بل ادا کیے بغیر بھاگ آئے ہیں۔" انہوں نے اپنی میز کے بیرے کی آواز سنی... پھر ایک پولیس آفیسر اور دو کانسٹیبل اندر آ گئے۔ ان کے پیچھے ایک چھوٹے قد کا آدمی اندر آ گیا... اس کا لباس دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی۔ لباس نیلے رنگ کا تھا... لیکن اس پر شاید سونے کی تاروں سے کام کیا گیا تھا... ایسے لباس عام طور پر شاہی خاندانوں کے لوگ پہنتے ہیں:

"آ گئے منیجر صاحب!" لمبے آدمی نے نیلے لباس والے سے کہا۔

"تو یہ ہیں وہ لوگ... جو بل ادا کیے بغیر بھاگ نکلے ہیں۔" نیلے لباس والے نے جیسے لمبے آدمی کا جملہ سنا ہی نہیں... اس کی نظریں تو بس ان پر جمی تھیں۔ اس پر نظر پڑتے ہی فرزانہ نے بے چینی محسوس کی... وہ سمجھ نہ سکی کہ وہ کیوں بے چین ہو گئی ہے۔

"آپ انہیں گرفتار کر لیں۔" نیلے لباس والے نے پولیس آفیسر سے کہا۔

"یہ تو اب کرنا ہی ہوگا!" آفیسر بولا... اور پھر اس نے

اپنے دونوں ماتحتوں کی طرف دیکھا۔

"انہیں ہتھکڑیاں لگا دو۔"

"کس الزام میں۔" فاروق نے حیران ہو کر کہا۔

"م... میری طبیعت اچانک خراب ہو گئی ہے... مجھے جلد از جلد ہسپتال لے چلو۔" ایسے میں فرزانہ کی آواز سنائی دی... وہ گھبرا گئے۔

"کک... کیا ہوا۔" فاروق چونکا

"پپ پتا نہیں۔"

"بہانہ کر رہی ہے انسپکٹر صاحب!" لمبا آدمی ہنسا۔

"اوہو... آپ کے ہوٹل کا بل زیادہ سے زیادہ تین چار ہزار کا ہو گا... اور بچی کی جان کا مسئلہ ہے... پہلے ہم اسے ہسپتال لے جائیں گے... پھر یہاں آئیں گے۔"

"ہرگز نہیں... یہ یہاں سے نکل بھاگنے کا چکر ہے..."

"لیکن ہم بل میز پر رکھ کر آئے ہیں بلکہ بل سے زیادہ رقم۔"

"وہاں کوئی رقم نہیں تھی۔" بیرا فوراً بولا۔

محمود نے بیرے کی طرف دیکھا... پھر خان رحمان پر نظر ڈالی... اور بولا:

''انکل آپ نے وہاں کتنے کا نوٹ رکھا تھا۔''

''پانچ ہزار کا۔'' وہ بولے۔

''آپ نے نیا نوٹ پیکٹ میں سے نکال کر دیا تھا نا۔''

''ہاں بالکل۔''

''بس تو پھر بیرے کی تلاشی لی جائے... اگر اس کی جیب سے پانچ ہزار کا وہ نوٹ نکل آتا ہے... جس کے بعد والے نمبر ہمارے انکل کے پاس ہیں تو بیرا جھوٹا... ورنہ ہم جھوٹے... ہم اسی وقت دوسرا نوٹ ادا کریں گے... ویسے بھی ہم ہوٹل سے باہر تو نہیں نکل گئے کہ یہ کہا جا سکے کہ بل ادا کیے بغیر بھاگ آئے ہیں، ہوٹل ہی میں موجود ہیں... ہمیں تو ایک فوری ضرورت کے تحت اوپر آنا پڑا تھا... اے بیرے میاں... خبردار... تم ہاتھ جیب کی طرف نہیں لے جا سکتے... انسپکٹر صاحب... آپ خود اس کی جیبوں کی تلاشی لیں۔''

''وہ... ہم... میں۔'' انسپکٹر لگا ہکلانے۔

''آپ تلاشی لیں نا... اگر اس کی جیب سے پانچ ہزار کا نوٹ نکل آتا ہے اور اس پر وہ نمبر ہے جس کے بعد والے نمبر ہمارے انکل کی جیب میں ہیں تو اس کے جھوٹا ہونے میں کیا شک رہ جائے گا... کیا خیال ہے آپ کا۔'' محمود کہتا چلا گیا۔

''ہب... بات تو آپ کی ٹھیک ہے۔'' اس نے بے چارگی کے عالم میں منیجر کی طرف دیکھا... ادھر منیجر کے چہرے پر بھی الجھن نظر آ رہی تھی... لیا آدمی بھی پریشان لگ رہا تھا... گویا صورت حال فوراً بدل گئی تھی۔ آخر پولیس آفیسر نے کہا:

''مجبوری ہے... بیرے کی تلاشی لینی پڑے گی۔''

''یہ ہوئی نا بات۔''

اور پھر آفیسر لگا بیرے کی طرف بڑھنے... اس وقت فاروق نے چلا کر کہا:

''نہیں جناب!''

''نہیں جناب کیا۔''

''تلاشی آپ نہیں... ہم لیں گے۔''

''کیا بات ہوئی! کیا اب آپ مجھ پر شک کریں گے۔''

''یہ بات نہیں... ہم لوگ ذرا تلاشی لینے کے ماہر ہیں۔'' فاروق مسکرایا۔

''یہ ہمارا کام ہے...'' آفیسر جھلا اٹھا۔

''آپ کی مرضی... آپ تلاشی لیں گے تو نوٹ نہیں ملے گا... ہم لیں گے تو مل جائے گا۔'' محمود نے جلدی کہا۔

''مم... میری طبیعت۔'' فرزانہ چلائی۔

''ذرا صبر کرو، یہاں بھی سنگین مسئلہ درپیش ہے... انسپکٹر صاحب ذرا جلدی تلاشی لے لیں۔''

انسپکٹر آگے بڑھا... اس نے ہیرے کی جیبوں کی جلدی جلدی تلاشی لی، پھر اعلان کرنے کے انداز میں بولا:

''اس کی جیبوں سے پانچ ہزار کا نوٹ نہیں ملا۔''

''دیکھا... میں نے کہا تھا نہ... یہ لوگ فراڈ ہیں۔'' منیجر چلا اٹھا۔

''اور ہم نے کیا کہا تھا...'' فاروق نے ہنس کر کہا۔

''تم نے کیا کہا تھا... بتادو ... کیا کہا تھا۔'' منیجر نے بھنا کر کہا۔

''یہ کہا تھا کہ...''

''کم از کم تم لوگ مجھے جانے دو ... میرا ہسپتال پہنچنا بہت ضروری ہے۔'' یہ کہتے ہی فرزانہ باہر کی طرف دوڑ پڑی۔

''ارے ارے۔''

''جانے دیں... کیا ہم یہاں موجود نہیں ہیں... اگر ہم پر کوئی جرم ثابت ہوا تو اسے بھی آپ کے حوالے کرنا ہماری ذمے داری

ہو گی۔'' خان رحمان نے بڑا سا منہ بنایا۔

''ہاں تو تم نے کیا کہا تھا۔''

''یہ کہا تھا کہ ہم ذرا تلاشی لینے کے ماہر ہیں... آپ تلاشی لیں گے تو نوٹ نہیں ملے گا اور ہم لیں گے تو مل جائے گا۔''

''اچھی بات ہے... اب تم ہیرے کی جیب سے وہ نوٹ نکال کر دکھا دو۔''

''ضرور کیوں نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے فاروق اس کی طرف بڑھا۔

''ایک منٹ... یہ درست طریقہ نہیں ہے۔'' انسپکٹر نے چونک کر کہا۔

''کیا مطلب؟''

''پہلے تم اپنی تلاشی دو... کیا خبر نظر بچا کر خود اس کی جیب میں نوٹ سرکا دو۔''

''اچھی بات ہے، پہلے آپ میری تلاشی لے لیں۔'' فاروق مسکرایا۔

انسپکٹر اس کی طرف بڑھا۔ اس نے ایک ایک جیب کی اچھی طرح تلاشی لی، آخر اس نے کہا:

"اس کے پاس کوئی بڑا نوٹ نہیں ہے۔"

"شکریہ! کیا اب میں بیرے کی تلاشی لے سکتا ہوں۔"

"ہاں ضرور۔"

فاروق نے آگے بڑھ کر بیرے کے سر سے ہوٹل کی مخصوص ٹوپی ایک جھٹکے سے اتار لی... ساتھ ہی بیرا چلا اٹھا:

"یہ کیا کیا... لائیں میری ٹوپی۔"

"ہم آپ کی ٹوپی کا اچار نہیں ڈالیں گے۔"

"ٹ... ٹوپی کا اچار۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

"کیوں کیا ہوا... تم فاروق نہیں ہو۔" فاروق نے گویا اسے یاد دلایا۔

"اوہ ہاں... میں فاروق نہیں ہوں... محمود ہوں۔"

"کک... کیا... کیا مطلب..."

منیجر بہت زور سے اچھلا:

☆☆☆☆☆

پنسل

"معاف کیجیے گا سر! ایمرجنسی کال ہے... سن لوں۔"

"ہاں جمشید! کیوں نہیں۔"

انہوں نے موبائل کی طرف دیکھا... اسکرین پر فرزانہ کا نام نظر آیا... جونہی انہوں نے موبائل آن کیا، فرزانہ کی آواز سنائی دی:

"ہوٹل نمارا! میں ہم لوگ خطرے میں ہیں... میں بہت مشکل سے ہوٹل کے پچھلے دروازے سے نکلی ہوں۔"

"میں آ رہا ہوں... فکر نہ کرو... ہوٹل کے صدر دروازے پر مجھے ملنا... اس سے پہلے ادھر ادھر کہیں چھپی رہو۔" یہ کہتے ہی انہوں نے فون جیب میں ڈالا اور اٹھتے ہوئے بولے:

"سر... میں۔"

"تم جاؤ جمشید... یہ میٹنگ بعد میں سہی... ضرورت ہوئی تو مجھے فون کر دینا، میں بھی پہنچ جاؤں گا۔" آئی جی صاحب فوراً بولے۔

"شکریہ سر۔"

یہ کہتے ہی انہوں نے دوڑ لگا دی ... ایک منٹ بعد ان کی جیپ آندھی اور طوفان کی طرح ہوٹل نمارا کی طرف اڑی جا رہی تھی ... اور آخر انہوں نے صدر دروازے پر پہنچ کر بریک لگایا ... ادھر وہ جیپ سے اترے، ادھر فرزانہ نہ جانے کس طرف سے نکل کر تیر کی طرح ان کے پاس آئی:

"جلدی کریں۔" اس نے کہا اور اندر کی طرف دوڑ پڑی۔ انسپکٹر جمشید اس کی طرف دوڑے ... فرزانہ کا رخ لفٹ کی طرف تھا ... ہوٹل کی انتظامیہ میں سے کسی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی... انسپکٹر جمشید بھی اس کے پیچھے لفٹ تک پہنچ گئے ... لیکن یہ دیکھ کر دھک سے رہ گئے کہ لفٹ بند تھی:

"یہ تو بند ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اسے بند کیا گیا ہے ... آیئے سیڑھیوں سے چلتے ہیں۔"

"تم کیا کہہ رہی ہو فرزانہ ... یہ گیارہ منزلہ ہوٹل ہے۔"

"تب پھر؟"

"ایک منٹ ٹھہرو۔" یہ کہہ کر انہوں نے کاؤنٹر کی طرف دوڑ لگا دی... وہاں دو آدمی بالکل چوکس کھڑے تھے... انہیں دوڑ کر اپنی

طرف آتے دیکھ کر گھبرا گئے اور بول اٹھے:

"کیا ہوا سر! خیر تو ہے۔"

"لفٹ کیوں بند ہے۔"

"ابھی ابھی کوئی خرابی ہوئی سر اس میں۔"

"نہیں ... خرابی ہوئی نہیں ... کی گئی ہے ..." فرزانہ بول پڑی۔

"کیوں! ہمیں کیا ضرورت تھی، ایسا کرنے کی۔"

"تم لفٹ آن کرو... جلدی ... ورنہ ہو سکتا ہے، تمہیں گرفتار کر لیا جائے اور تمہارے لیے جواب دہی مشکل ہو جائے۔"

"سوری! یہ میرا کام نہیں ... لفٹ آپریٹر کے پاس جائیں۔"

"تم یہیں سے لفٹ آپریٹر کو ہدایت دو ... ورنہ۔" انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد ہو گیا... ساتھ ہی انہوں نے اپنے پستول کی نالی اس کی کن پٹی پر رکھ دی۔

"آپ کو اپنے اس فعل کی جواب دہی کرنی پڑے گی۔"

"وہ ہم کر لیں گے ... اگر تم نے اب بھی اسے ہدایت نہ دی تو میں گولی چلا رہا ہوں۔" وہ گرجے۔

"میں کہتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے کانپتی آواز سے انٹرکام میں کہا:

"لفٹ آن کر دو... فوراً۔"

"اوکے سر۔" آواز آئی۔

"چاپے صاحب۔"

"چاپے صاحب جی... تم دونوں ہمارے ساتھ چلو گے... ورنہ ادھر ہم لفٹ کی طرف جائیں گے، ادھر تم پھر اس سے کہہ دو گے، لفٹ بند کر دو... جلدی کرو... لفٹ کی طرف دوڑ لگا دو... ورنہ تم گئے کام سے۔" ان کا لہجہ ایسا تھا کہ وہ کانپ گئے۔

اس وقت تک ہال میں سنسنی پھیل گئی تھی... کیونکہ جملوں کا تبادلہ بلند آواز میں ہوا تھا... اور پھر وہ دوڑتے ہوئے لفٹ تک پہنچ گئے۔ اس وقت تک لفٹ آن ہو چکی تھی... انہوں نے بٹن دبایا اور ان دونوں کو ساتھ لیے اندر داخل ہو گئے... ساتھ ہی فرزانہ نے آخری منزل کا بٹن دبا دیا... جونہی وہ آخری منزل پر پہنچے... فرزانہ دوڑ کر باہر آ گئی اور اس کمرے کی طرف چلی... ادھر انسپکٹر جمشید نے ان دونوں کے سروں پر ایک ایک ہاتھ رسید کر دیا... وہ تیورا کر لفٹ میں ہی گر گئے... وہ لفٹ سے نکل اس طرف دوڑے، جس طرف فرزانہ گئی تھی... وہ اس وقت تک دروازے پر دستک دے چکی تھی۔

O

منیجر کو اس طرح اچھلتے دیکھ کر محمود اور فاروق سمجھ گئے کہ ان سے کیا غلطی ہو گئی تھی... وہ تو یہاں میک اپ میں تھے... اب جونہی ان دونوں نے اپنے خاص انداز کے جملے بولے... منیجر اچھل پڑا:

"تت... تو کیا... تم دونوں انسپکٹر جمشید کے لڑکے ہو۔"

"ارے باپ رے... یہ... یہ تو ہمیں پہچان گئے۔"

خان رحمان نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

"تم ہو ہی بے وقوف..." محمود نے فاروق کو گھورا۔

"اور تم کون سا مجھ سے کم ہو۔"

"خوب خوب! لیکن وہ لڑکی... یعنی فرزانہ تم سے بہت زیادہ تیز نکلی... اس نے خطرے کو پہلے ہی بھانپ لیا تھا... اس کا مطلب ہے... وہ انسپکٹر جمشید کو ساتھ لے کر آتی ہی ہوگی... اف..."

یہ کہتے ہی اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک قسم کا پستول نظر آیا... ساتھ ہی اس نے موبائل پر نمبر دبایا اور بولا:

"لفٹ بے کار کر دو... جلدی۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹا... اور پولیس آفیسر سے بولا:

"ان لوگوں کو فوراً دوسرے کمرے میں لے جاؤ... میں اپنے

کمرے میں جا رہا ہوں۔"

"لل... لیکن... لطف تو..." لمبے آدمی نے کہنا چاہا تھا کہ منیجر غرایا۔

"خاموش!"

اور پھر وہ کمرے سے نکل گیا... اس وقت تک پولیس آفیسر اور اس کے ساتھیوں نے بھی پستول نکال لیے تھے... لمبے آدمی نے ساتھ والے کمرے کا اندرونی دروازہ کھول دیا:

"چلو اس کمرے میں۔"

انہیں اس کمرے میں دھکیل کر پولیس آفیسر اور اس کے ماتحت بھی ادھر ہی آ گئے... لمبے آدمی نے دروازہ بند کر دیا۔ اس نے کمرے کا جائزہ لیا... اس کی حالت درست کی... اچھی طرح جائزہ لیا کہ کوئی آثار باقی نہ رہ جائیں... پھر پرسکون انداز میں دروازے اندر سے بند کر کے بیٹھ گیا... اور لگا انتظار کرنے... آخر دروازے پر دستک ہوئی ... وہ مسکرایا اور اٹھ کر دروازہ کھول دیا... انسپکٹر جمشید اور فرزانہ فوراً اندر داخل ہو گئے:

"کہاں ہیں ہمارے ساتھی... اور دوسرے لوگ۔"

"ہوٹل کا بیرا بددیانت ثابت ہوا تھا، اس نے پانچ ہزار کا

نوٹ اپنی ٹوپی میں چھپا لیے تھے اور منیجر کو یہ بتا کر اوپر لایا تھا کہ آپ لوگ بل ادا کیے بغیر او۔ پر بھاگ گئے ہیں... لہٰذا منیجر صاحب اس بیرے کو لے کر اوپر آ گئے... ادھر اتفاق سے میرے ملازم نے یہ خیال کر لیا کہ وہ لڑکی اندر تانک۔ جھانک کر رہی ہے... لہٰذا وہ آپ لوگوں کو اندر لے آیا... لیکن جب یہ دونوں باتیں غلط ثابت ہو گئیں تو معاملہ ختم ہو گیا... منیجر صاحب نے کھڑے کھڑے بیرے کو ملازمت سے فارغ کر دیا... لہٰذا سب لوگ جا چکے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" انسپکٹر جمشید نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا... پھر موبائل نکال کر محمود کے نمبر ڈائل کیے... موبائل بند تھا... فاروق اور خان رحمان کا بھی بند ملا۔

"تب پھر ان کے موبائل کیوں بند ہیں۔" وہ پرسکون آواز میں بولے۔

"بھلا میں کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے... آپ کی تعریف۔"

"میں عادل شاہین نوری ہوں... اس ہوٹل کا مستقل گاہک... یعنی میں یہیں رہتا ہوں... یہ سوئٹ میں نے کرائے پر لے رکھا ہے۔"

"تب آپ بہت دولت مند ہیں... کیونکہ اتنے اخراجات

کرتے ہیں۔"

نا ہیں۔"

... محکمہ سراغ رسانی سے تعلق ہے

پ ہیں یہ ... آپ تشریف رکھیے نا۔" وہ

ہم ساتھ والے کمرے کو دیکھ سکتے ہیں۔" انہوں نے

بات سن ہی نہیں ... ان کی آنکھیں بدستور اس کے چہرے

یں۔

"ضرور کیوں نہیں... اس کمرے میں میرا سامان ہی ہے اور
بس ... کبھی کچھ دوست آجائیں تو ان کے کام آجاتا ہے ... لیکن
آپ کس سلسلے میں یہ پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔"

"ہمارے ساتھی ہوٹل سے باہر نہیں آئے... ہمیں ان کی
تلاش ہے اور ہمیں یقین ہے ... وہ یہیں ہیں۔"

"آپ کا مطلب ہے ... میں نے انہیں پکڑ کر کمرے میں بند
کر رکھا ہے۔" اس کا لہجہ ناخوشگوار ہو گیا۔

"ہاں!" انسپکٹر جمشید فوراً بولے۔

"اچھی بات ہے ... پہلے آپ کمرہ دیکھ لیں۔"

اس نے کمرے کا دروازہ کھول دیا:

"آپ ادھر ہی ٹھہریں، کمرے میں صرف میں اور میری بچی
جائیں گے۔"

اس وقت تک انسپکٹر جمشید اپنی گھڑی کے ذریعے اکرام سے
رابطہ کر چکے تھے اور اس جگہ ہونے والی بات چیت اکرام سن رہا تھا،
لیکن عادل شاہین نوری کو اس بات کا بالکل پتا نہیں تھا:

"ٹھیک ہے۔" اس نے سر کو جھٹکا دیا۔

"اور مسٹر نوری! آپ فرار ہونے کی کوشش نہیں کریں گے۔"
انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"حد ہو گئی ... بھلا میں کیوں فرار ہونے کی کوشش کرنے
لگا... میں یہاں مستقل رہائش پذیر ہوں۔" اس نے بھنا کر کہا۔

"میں آپ کو پھر خبردار کر رہا ہوں... آپ فرار ہونے کی
کوشش نہ کیجیے گا ... ویسے بھی اب بہت جلد اس ہوٹل کو انٹیلی جنس والے
اپنے گھیرے میں لینے والے ہیں۔"

"لیکن کیوں ... ہم نے کیا کیا ہے۔"

"میرے دو بچوں اور ایک دوست کو غائب کیا ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے اسے تیز نظروں سے گھورا۔

"اچھی بات ہے... میں یہیں موجود ہوں، آپ اپنا اطمینان کر لیں اور اگر میں نے انہیں غائب کیا ہے تو انہیں برآمد کر لیں، میں بھی ہوٹل کے منیجر کو اوپر بلا رہا ہوں... تاکہ یہاں ہونے والی زیادتی کا کوئی گواہ ہو۔"

"اوہ ضرور ضرور... کیوں نہیں۔" وہ مسکرائے اور کمرے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

عادل شاہین فوری فون کرنے لگا... ادھر انسپکٹر جمشید اور فرزانہ اس کی طرف سے منہ موڑ کر کمرے کو بغور دیکھنے لگے... کمرے میں بڑے بڑے سوٹ کیس اوپر تلے رکھے تھے... کانوں والی ایک بڑی پیٹی بھی نظر آئی... انہوں نے کمرے کے فرش کو غور سے دیکھا... ایک سوٹ کیس کے ساتھ لگی ایک ننھی سی پنسل انہیں نظر آ گئی... وہ مسکرا دیے اور عادل شاہین کی طرف مڑے:

"مسٹر عادل شاہین... آپ کے منیجر نہیں آئے۔"

"بس آتے ہی ہوں گے۔"

"تو پھر سن لیں... محکمہ سراغرسانی کے لوگ بھی آتے ہی ہوں گے۔"

"مجھے کوئی پروا نہیں... میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"جرم ہم ثابت کریں گے ان شاء اللہ۔"

"بس ٹھیک ہے۔"

عین اسی وقت منیجر اندر داخل ہوا... اس مرتبہ اس کے ساتھ دو خوفناک شکل صورت والے بیرے بھی تھے... منیجر درمیانے قد کا گول مٹول اور ٹھوس سے جسم کا مالک تھا:

"آیئے منیجر صاحب... یہ لوگ مجھ پر رعب جھاڑ رہے ہیں۔"

"میں اوپر آنے سے پہلے ہوٹل کے وکیل کو فون کر چکا ہوں... قانون کی زبان میں وہی ان سے بات کریں گے... لہذا آپ فکر نہ کریں... وہ شہر کے مشہور و معروف وکیل ہیں... نام ہے ان کا اعظم کاکڑ۔"

"اور خود آپ کا نام کیا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"مجھے فوزی خان کہتے ہیں... آپ جو کچھ کر رہے ہیں، آپ کو اس کے بارے میں جواب وہی کرنا ہوگی... عدالت میں۔"

"ضرور کیوں نہیں..." انسپکٹر جمشید بولے، ساتھ ہی فرزانہ سے بولے:

''فرزانہ اس کمرے میں آجاؤ... اب جو کچھ ہوگا... ان کے وکیل کی موجودگی میں ہوگا... ہم بھی قانونی جنگ لڑیں گے۔''

''بہت بہتر ابا جان۔''

دونوں بیرونی کمرے میں آگئے... اب سب صوفوں پر بیٹھ گئے... فرزانہ کی نظریں جونہی منیجر پر پڑیں، وہ پھر خوف محسوس کرنے لگی۔ اس پر اسے حیرت بھی ہوئی:

''ابا جان! کیا آپ نے منیجر صاحب کو دیکھ کر کچھ محسوس کیا ہے۔'' وہ اشاروں میں بولی۔ انسپکٹر جمشید نے اس کے الفاظ سمجھ لیے۔

''ہاں خطرناک۔'' انہوں نے اشاروں میں کہا۔

''یہی محسوسات میرے تھے... جب پہلی بار دیکھا تھا۔''

''ہوں...''

اور پھر بھاری قدموں کی آواز سنائی... دروازے پر اکرام اور اس کے پیچھے اس کے چھ ماتحت نظر آئے:

''سرا ہوٹل کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا ہے۔''

''بہت خوب اکرام! محمود، فاروق اور خان رحمان کو ان لوگوں نے ہوٹل ہی میں کہیں غائب کیا ہے۔ انہیں ہوٹل سے باہر جاتے ہوئے نہیں دیکھا گیا... لہذا ہم انہیں ہوٹل سے ہی برآمد کریں گے۔''

''یہ سراسر الزام ہے۔'' عادل نوری نے بھنا کر کہا۔

''جب تک ہمارے وکیل اعظم کاکڑ... لو وہ آگئے...'' دروازے پر نظر پڑتے ہی وہ بول اٹھا... انہوں نے دیکھا، ایک لمبے قد کا آدمی اکرام کو ایک طرف دھکیل کر اندر داخل ہو چکا تھا:

''یہ... یہاں کیا ہو رہا ہے... میں نے سنا ہے... ہمارے ہوٹل کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے... ضرور یہ ہمارے ہوٹل کی شہرت خراب کرنے کی کوشش ہے... اور نوری صاحب! آپ فکر نہ کریں... میں ان لوگوں کو دیکھ لوں گا...''

''دیکھ تو آپ رہے ہیں۔'' فرزانہ بول اٹھی۔

اکرام اور انسپکٹر جمشید مسکرا دیے:

''میں عدالت میں لوگوں کو دیکھنے کا عادی ہوں۔'' اس نے جل کر کہا۔

''تب پھر یہاں کیوں نظر آ رہے ہیں۔'' فرزانہ تڑ سے بولی۔

''اپنے موکلوں کی قانونی مدد کے لیے۔'' وہ غرایا۔

''تب پھر مسٹر وکیل! آپ بھی سن لیں... آپ سرکاری کام میں رکاوٹ ڈالیں گے تو ہم آپ کو بھی گرفتار کریں گے۔'' انسپکٹر جمشید سرد آواز میں بولے۔

"کیا کہا... سرکاری کام... کون سا سرکاری کام... کہاں کا سرکاری کام... مجھے تو بتایا گیا ہے کہ کچھ لوگ زبردستی ہوٹل کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔" اس کے لہجے میں پہلی بار حیرت محسوس ہوئی۔

"آپ کو غلط بتایا گیا ہے... اگر آپ پہلے بیٹھ کر ساری بات سن لیں تو شاید دونوں فریقوں کے حق میں بہتر رہے گا... ورنہ پھر ہمیں تو اپنا کام کرنا ہی ہے اور اس سلسلے میں جو رکاوٹ پڑے گی... ہم اسے دیکھ لیں گے۔"

"آپ کی تعریف۔"

"جانتے تو خیر آپ مجھے ہوں گے... لیکن اگر انجان بنا پسند کرتے ہیں تو میرا نام انسپکٹر جمشید ہے... اور آپ کی اطلاع کے لیے ساتھ ہی عرض کر دوں کہ میں عدالت میں اپنے مقدموں کی پیروی خود ہی کرتا ہوں... یعنی وکیل بھی ہوں۔"

"اوہو اچھا... یہ بہت اچھی بات ہے... اگر معاملہ صلح صفائی سے طے ہو جائے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔" وہ یک دم نرم پڑ گیا... یوں لگا جیسے ساری اکڑفوں صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ گئی ہو۔

"یہی تو ہم کہتے ہیں... سب حضرات بیٹھ جائیں... پہلے ساری بات سن لیں..." انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا... سب بیٹھ گئے

... اس کے بعد انسپکٹر جمشید نے ساری کہانی سنا ڈالی... پھر بولے:

"اب ان حالات میں ہم ہوٹل کی تلاشی لینے کا حق رکھتے ہیں... اور ان لوگوں کو پہلے اس کمرے میں لے جایا گیا ہے... لہٰذا ہم اپنی تلاش اس کمرے سے شروع کریں گے۔ اب اگر آپ رکاوٹ بنیں گے تو پھر تلاشی کے وارنٹ دکھائے جائیں گے... کیا آپ یہ چاہتے ہیں۔" انہوں نے کہا۔

"ہاں! بالکل۔" اعظم کاکڑ نے فوراً کہا۔

"بہت خوب!" انسپکٹر جمشید نے کہا اور اپنا خصوصی اجازت نامہ اس کے سامنے کرتے ہوئے بولے:

"اس اجازت نامے کی رو سے ہم یہاں کی تلاشی لے سکتے ہیں... آپ چیلنج کرنا چاہیں تو ضرور کریں۔"

خصوصی اجازت نامہ پڑھتے ہوئے اعظم کاکڑ کو پسینہ آ گیا۔ اس کی بدلتی حالت کو منیجر فوزی خان اور عادل شاہین نوری نے بھی صاف محسوس کیا۔ فوزی خان بول اٹھا:

"خیر تو ہے وکیل صاحب... آپ پریشان ہو گئے۔"

"ان کے پاس وارنٹ سے بھی بڑی چیز ہے... آپ ان کو تلاشی لینے سے روک نہیں سکیں گے۔"

"ٹھیک ہے... آپ کمرے کی تلاشی لے لیں۔"

"آؤ فرزانہ... اکرام تم دروازے پر ٹھہرو... اور ہیڈ آفس سے مسلسل سلسلہ ملائے رکھو گے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر۔"

اب انسپکٹر جمشید فرزانہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے پورے کمرے پر ایک نظر ڈالی... یہ پہلے ہی اشاروں میں طے کر چکے تھے... ابھی پنسل کی بات نہیں کریں گے... یہ دونوں کمرے ہال نما تھے... اس کمرے میں بھی سوٹ کیس اور لحافوں والی پیٹی کمرے کے دائیں طرف والی دیوار کے ساتھ رکھے گئے تھے۔ باقی کمرے میں صوفہ سیٹ اور کرسیاں تھیں... فرش پر موٹا قالین بچھایا گیا تھا... قالین میں ان کے پیر دھنستے جا رہے تھے... کئی منٹ کی دیکھ بھال کے بعد آخر فرزانہ نے کہا:

"ارے! یہ دیکھیے ابا جان... یہ کیا ہے۔"

انسپکٹر جمشید اس وقت دوسری سمت میں جائزہ لے رہے تھے... فرزانہ کی آواز سن کر اس کی طرف مڑے... فرزانہ انگلی سے پنسل کی طرف اشارہ کر رہی تھی... انہوں نے جھک کر پنسل اٹھائی اور یوں ظاہر کیا جیسے پہلی بار پنسل پر نظر پڑی ہو... پھر پنسل لیے درمیانی دروازے

کی طرف مڑے:

"یہ پنسل میرے بیٹے فاروق کی ہے۔"

"یہ تو ایک عام پنسل ہے... آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں... جواب میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ پنسل عادل شاہین کے کسی مہمان بچے کی ہے۔" وکیل اعظم کاکڑ بول پڑا۔

"یہ بات آپ کہہ سکتے ہیں... لیکن میں یا میری بیٹی نہیں کہہ سکتے... میرے ماتحت سب انسپکٹر اکرام بھی نہیں کہہ سکتے۔"

"یہ کیا بات ہوئی۔" وکیل نے برا سا منہ بنایا۔

"کیوں اکرام... تم یہ بات کہہ سکتے ہو۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"جی نہیں سر... بالکل نہیں کہہ سکتا۔"

"کیا نہیں کہہ سکتے۔" وکیل نے اسے گھورا۔

"یہ کہ یہ پنسل عام پنسل ہے... اگر یہ فاروق کی پنسل ہے... تو پھر یہ بہت خاص پنسل ہے... بلکہ ایسے ہی موقعوں کے لیے وہ ایسی چیزوں کو جیب میں رکھتے ہیں۔"

"آخر کیسی چیزوں کو... کیا یہ کوئی خاص پنسل ہے۔"

"اس میں شک نہیں۔"

"کیا مطلب ... کس میں شک نہیں۔"

"یہ ایک خاص پنسل ہے ... اسی لیے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ فاروق نے یہاں جان بوجھ کر گرائی ہے... ایسے کام وہ عام طور پر اس وقت کرتا ہے، جب وہ کہیں پھنس جائے ... تاکہ ہمیں معلوم ہو جائے کہ اسے یہیں کہیں رکھا گیا ہے۔ اور مسٹر عادل شاہین ... آپ فوراً ان بچوں اور میرے دوست کو یہاں بلا لیں... یہی آپ کے حق میں بہتر ہے، ورنہ جوں جوں دیر ہو گی ... آپ کی الجھن بڑھے گی۔"

"آپ لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے ... یہ ایک عام پنسل ہے کسی مہمان سے گر گئی ہو گی۔" نوری جان نے جھلا کر کہا۔

"جی نہیں! ہم اس پنسل کو اچھی طرح پہچانتے ہیں۔"

"آپ کی بات ماننے کے لائق نہیں ... یہ بات کوئی ثبوت نہیں، بلکہ ہم کہہ سکتے ہیں... آپ زبردستی ہمیں پھانسنے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"میں سمجھ گیا ... آپ اس طرح نہیں مانیں گے ... آپ لاتوں کے بھوت ہیں، باتوں سے نہیں مانیں گے ... ادھر ہماری مجبوری ہے ... ہمارے تین ساتھی غائب ہیں ... ہم آپ کی کوئی رعایت نہیں کر سکتے۔"

"ٹھیک ہے... آپ رعایت نہ کریں... اپنے بچے اور دوست کو یہاں سے برآمد کر لیں اور ہمیں جیل بھجوا دیں..." عادل شاہین نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"پہلے تو پل بھر میں یہ بات ثابت کرتا ہوں کہ یہ کوئی عام پنسل نہیں ہے۔ آپ ذرا کمرے کی دیواروں سے لگ کر کھڑے ہو جائیں اور سانس روک لیں۔ آنکھیں بند کر لیں۔"

"آخر ہم ایسا کیوں کریں؟"

"نہیں کریں گے تو تکلیف اٹھائیں گے ... آنکھیں بند کر لیں، سانس روک لیں۔ میں یہ پنسل اس دیوار پر مار رہا ہوں... اگر یہ عام پنسل ہے تو کچھ نہیں ہوگا، یہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر جائے گی اور اگر یہ ہماری خاص پنسل ہے تو دھماکا ہو گا... چمک پیدا ہو گی ... جس سے آنکھوں کو شدید تکلیف ہو گی اور کمرے میں ہلکی سی گیس پھیل جائے گی ... اس میں سانس لینے والے بے ہوش ہو جائیں گے۔ بلکہ سانس روک لینے والے بچ جائیں گے، کیونکہ چند سیکنڈ بعد ہی گیس کا اثر ختم ہو جائے گا ... یہ لیں یہ پنسل دیوار پر مار رہا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے پنسل کھینچ ماری:

☆☆☆☆☆

دوسرا کام

ایک ہلکا سا دھماکا ہوا، آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی چمک نمودار ہوئی اور گیس پھیل گئی... سب لوگ چونکہ پہلے ہی آنکھیں بند کر چکے تھے اور سانس روک چکے تھے... لہٰذا سب کے سب محفوظ رہے... آخر انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی:

"آپ لوگ آنکھیں کھول سکتے ہیں۔"

انہوں نے ڈرتے ڈرتے انداز میں آنکھیں کھول دیں... پنسل قالین پر پڑی نظر آئی... انہوں نے اسے اٹھا لیا:

"کیا اب آپ کو یقین آ گیا کہ میرے بچوں کو اسی جگہ سے غائب کیا گیا ہے۔"

"نہیں۔" وکیل اعظم کاکڑ کی آواز ابھری۔

"آپ نے کیا کہا... نہیں۔" انسپکٹر جمشید کے لہجے میں حیرت در آئی۔

"ہاں! میں نے یہی کہا ہے... یہ دراصل آپ کی شعبدہ بازی تھی... آپ نے پنسل تبدیل کر لی... یہ پنسل آپ کی جیب میں تھی... اور جو پنسل عادل شاہین صاحب کے کمرے میں ملی تھی، وہ آپ نے جیب میں ڈال لی۔"

انسپکٹر جمشید اس کی یہ بات سن کر مسکرا دیے اور پرسکون انداز میں بولے:

"الزام دلچسپ ہے، لیکن اس صورت میں میری جیب سے وہ پنسل نکلنی چاہیے جو میں نے اس کمرے سے اٹھائی تھی۔"

"اور وہ آپ کی جیب سے برآمد ہو گی... آپ مجھے تلاشی لینے دیں۔"

"تشریف لایئے۔"

وکیل اعظم کاکڑ تلاشی لینے کے لیے آگے بڑھا... اس نے سب کے سامنے ان کی تمام چیزوں کی تلاشی لی... لیکن کوئی پنسل برآمد نہ ہوئی... اب اس نے پریشان ہو کر کہا:

"ٹھیک ہے یہ پنسل ضرور آپ کے بچے کی ہے، عادل شاہین صاحب! اب آپ کیا کہتے ہیں... انسپکٹر صاحب نے تو یہ بات ثابت کر دی کہ پنسل ان کے بیٹے کی ہے۔"

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔''

''کیا مطلب ... اس سے فرق نہیں پڑتا، لیکن کیسے۔''

''ایسے کہ وہ لوگ یہاں آئے تو بہر حال تھے ... ان سے چپل یہاں گر گئی ہو گی ... لیکن وہ یہاں سے جا چکے ہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''جب کہ ... ہمارا کہنا یہ ہے کہ وہ ہوٹل ہی میں کہیں موجود ہیں اور انہیں قید میں رکھا گیا ہے ... لہٰذا ہم پہلے اس کمرے کی تلاشی لیں گے، جس سے چپل ملی ہے۔''

''ٹھیک ہے عادل صاحب... ان حضرات کو تلاشی لینے دیں۔''

''اچھی بات ہے۔'' عادل شاہین نے کندھے اچکا دیے۔

انہوں نے کمرے کی تلاشی شروع کی ... لیکن وہاں سوٹ کیس اور لحافوں والی پیٹی کے سوا تھا ہی کچھ کیا۔ آخر انسپکٹر جمشید بولے:

''اس پیٹی کو کھولیں۔''

''اس میں کمبل ہیں اور بس۔''

''آپ پیٹی کو کھولیں نا۔''

اس نے ایک الماری کھول کر اس میں سے چابیاں اٹھائیں اور پیٹی کا تالا کھول دیا۔ انہوں نے ڈھکنا اٹھا کر پیٹی میں دیکھا ... اس

میں واقعی بہت قیمتی قسم کے کمبل موجود تھے ... انہوں نے کمبلوں کو ادھر ادھر کر کے بھی دیکھا... اس میں کچھ نظر نہ آیا۔ انسپکٹر جمشید اور فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کی طرف دیکھا... جیسے کہہ رہے ہوں اب کیا کریں:

''اکرام ... اپنے چار آدمی اندر بھیجو۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اس وقت قالین کو غور سے دیکھ رہے تھے ... اکرام کے ماتحت اندر داخل ہوئے تو انہوں نے کہا:

''اس پیٹی کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں رکھ دو۔''

''حد ہو گئی، آخر آپ کیا خیال کر رہے ہیں۔'' عادل شاہین نے جھلا کر کہا۔

''یہ کہ اس کمرے میں ضرور کوئی خفیہ راستہ ہے ... اس راستے کے ذریعے ہمارے تینوں ساتھیوں کو غائب کیا گیا ہے، اگر ہم وہ راستہ تلاش کر لیتے ہیں تو ہماری بات ثابت ہو جائے گی۔''

''اچھی بات ہے ... کریں پھر تلاش وہ راستہ۔''

''اکرام خیال رہے ... جونہی راستہ ملے گا ... عادل صاحب فرار ہونے کی کوشش کریں گے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے ... میں اس ہوٹل کا مستقل رہائشی

ہوں۔"

انہوں نے کچھ نہ کہا۔ بچی کو اٹھا کر دوسرے کمرے میں لا لایا گیا:

"قالین کو الٹ دو۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی عادل شاہین کا رنگ اڑ گیا... وہ لگا کانپنے... انہوں نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا... کہاں تو وہ بہت دلیر نظر آ رہا تھا... کہاں کانپنے لگا تھا... ادھر اکرام کے آدمیوں نے قالین الٹ دیا... دوسرا لمحہ حیران کر دینے کے لیے کافی تھا... وہاں ایک چوکور خلا تھا... اس خلا میں لوہے کی سیڑھیاں نیچے جا رہی تھیں:

"آئیے وکیل صاحب! دیکھئے یہ رہا راستہ۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"میں اب ان کا وکیل نہیں رہا... میں جرائم پیشہ لوگوں کی وکالت نہیں کرتا... میں چلا۔"

کوئی کچھ نہ بولا... وکیل ایڑیوں کے بل گھوما اور دروازے کی طرف بڑھا... اکرام نے سوالیہ نظروں سے ان کی طرف دیکھا... جواب میں وہ عجیب انداز سے مسکرائے۔ اکرام نے دونوں ہاتھ پھیلا دیے:

"آپ نہیں جا سکتے۔"

"کیا مطلب، میں کیوں نہیں جا سکتا؟"

"آپ ایک وکیل ضرور ہیں لیکن ان کے ساتھی بھی ہیں..."

"ایسی کوئی بات نہیں... میں صرف ان کا وکیل تھا، لیکن اب جب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ لوگ جرائم پیشہ ہیں تو میں ان کی وکالت نہیں کروں گا۔"

"پکی بات؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"بالکل!"

"دیکھ لیں وکیل صاحب! اگر بعد میں یہ بات ثابت ہو گئی کہ آپ بدستور ان کے ساتھی ہیں تو پھر ہم آپ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیں گے اور ہماری لپیٹ ذرا سخت سی ہوتی ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ بات ثابت نہیں ہو سکے گی، اس لیے کہ ایسا نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے... اکرام انہیں... جانے... دو۔" انہوں نے عجیب سے انداز میں اٹک کر کہا۔

"اوکے سر... جائیے جناب۔"

وکیل فوراً دروازے سے نکل کر لفٹ کی طرف چلا گیا:

"اب آپ کیا کہتے ہیں مسٹر عادل شاہین نوری صاحب!"

"مجھے اس خفیہ جگہ کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ... اس بارے میں تو منیجر صاحب بتا سکیں گے ... باقی رہا آپ کے ساتھیوں کا مسئلہ... وہ ہوٹل سے چلے گئے تھے۔"

"خوب خوب! اور فوزی جان! آپ کیا کہتے ہیں اس راستے کے بارے میں۔"

"وہ بات جو واقعی ہے ... آپ کو تو پتا ہے ... بعض اوقات بڑی اور اونچی عمارت میں آگ لگ جاتی ہے اور باہر نکلنے کا راستہ نہیں بچتا... تو یہ راستہ ایسے موقعوں کے لیے بنایا گیا ہے ... یہ نیچے تہ خانے تک جاتا ہے اور تہ خانے سے ایک راستہ ہوٹل کے باہر لے جاتا ہے... مطلب یہ کہ ہنگامی حالات میں... آگ لگنے کی صورت میں یہ راستہ اختیار کیا جائے گا ... کیا یہ جرم ہے۔" فوزی خان نے آخری جملہ گہرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"نہیں! ایسا راستہ بنانا ضرورت ہے، جرم نہیں ... لیکن اگر اس راستے کو جرم کے لیے استعمال کیا جائے تو ایسا کرنے والے ضرور مجرم ہوں گے... لیکن آپ بھول رہے ہیں کہ ایمرجنسی راستوں کو خفیہ نہیں رکھا جاتا بلکہ ہر شخص کو پتا ہوتا ہے بلکہ باقاعدہ بتایا جاتا ہے کہ

ایمرجنسی یا آگ لگنے کی صورت میں کن راستوں سے باہر نکلنا ہے... اس لئے آپ کی یہ بات بالکل غلط ہے کہ یہ ایمرجنسی ایگزٹ ہے۔"

"لیکن یہ بات آپ ثابت نہیں کر سکے کہ ہم نے آپ کے ساتھیوں کو اس راستے سے غائب کیا ہے۔"

"وہ ہم اب کریں گے ... آئیے ہمارے پیچھے... اکرام تم بدستور یہیں رہو گے۔"

"جی بالکل! آپ فکر نہ کریں۔"

"اور دوسرے کام کا کیا رہا۔"

"وہ ہو رہا ہے سر۔"

"یہ بہت ضروری کام ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر ... محمد حسین آزاد کی ڈیوٹی لگائی ہے... اور اسے پوری طرح چوکنا کر دیا ہے ... وہ غیر ذمے داری کا ثبوت نہیں دے گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو، واسطہ بہت چالاک مجرم سے ہے۔"

"میں مزید خبردار کر دیتا ہوں سر۔"

"ہاں! یہ بہتر رہے گا۔"

اکرام نے اپنے ہاتھ کی گھڑی کا ایک بٹن دو بار دبایا...

جواب میں محمد حسین کے ہاتھ پر بندھی گھڑی پر دو بار اشارہ ہوا ... وہ سمجھ گیا کہ کیا کہا گیا ہے:

'' آئیے جناب آپ دونوں آئیے۔''

'' میرا کیا تعلق ؟'' عادل شاہین نے برا سا منہ بنایا۔

'' آپ آئیں تو سہی ... اگر آپ کا تعلق اس سارے معاملے سے بالکل نہیں ہوا تو آپ کو فارغ کر دیا جائے گا۔''

'' تعلق تو پھر آپ میرا بھی ثابت نہیں کر سکیں گے۔''

'' اس صورت میں ہم آپ سے معافی مانگ لیں گے۔'' وہ مسکرائے۔

'' یہ تو خیر نہیں ہوگا ... جو لوگ ہمیں اس حد تک تنگ کریں ... ہم انہیں معاف کر دیں ... اس صورت میں ہم آپ پر مقدمہ کریں گے۔''

'' آپ کی مرضی۔'' انہوں نے کندھے اچکا دیے۔

اب سب سے آگے انسپکٹر جمشید سیڑھیاں اترنے لگے، ان کے پیچھے عادل شاہین، پھر فوزی خان اور اس سے پیچھے فرزانہ۔ تہ خانہ بہت زیادہ فاصلے پر تھا۔ ان گنت سیڑھیاں اترنے کے بعد آخر وہ تہ خانے میں پہنچ گئے۔ یہ ایک بہت کشادہ جگہ تھی۔ وہاں جالی دار

فرش لگا ہوا تھا۔

'' وہ راستہ کس طرف ہے جس کے ذریعے باہر جاتے ہیں۔''

'' اس طرف سے ... آئیے۔''

اب وہ ان کے پیچھے چلنے لگے ... اس کشادہ جگہ کے آخر میں ایک دروازہ نظر آیا۔ اس پر کوئی تالا نہیں تھا ... بس چٹخنی لگی تھی ... فوزی خان نے چٹخنی گرا دی اور دروازہ کھول دیا ... یہ ہوٹل کا پچھلا حصہ تھا ... اور اس طرف سوائے خود رو جھاڑیوں کے اور کچھ نہیں تھا ... خود رو جھاڑیوں کے درمیان ایک کشادہ راستہ بنایا گیا تھا ... گویا ہنگامی حالات میں نکلنے والے اس راستے سے آگے جا سکتے تھے ... یہ سب دیکھ کر انسپکٹر جمشید نے کہا:

'' اس میں شک نہیں کہ یہ راستہ ہنگامی حالات میں استعمال کیا جا سکتا ہے ... لیکن صرف اس کمرے میں رہنے والوں کیلئے ... جبکہ اس کمرے کے مکین یعنی عادل صاحب اس راستے کے وجود سے ناواقف تھے ... یہ بات حیران کن ہے۔''

'' اب تو آپ کا شک دور ہو گیا۔'' فوزی خان نے خوش ہو کر کہا۔

'' جی نہیں۔''

"کیا کہا... نہیں۔" فوزی خان نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! ابھی کہا ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"ہم نے ابھی اس کشادہ جگہ کا جائزہ نہیں لیا... نہ ان جھاڑیوں کا... جو راستے کے باہر ہیں نہ اس راستے کا جو درمیان میں بنایا گیا ہے... ہم یہ کام اب شروع کر رہے ہیں... اور یہ کام آخری سیڑھی کے پاس سے شروع ہو رہا ہے... آئیے۔"

یہ کہہ کر وہ آخری سیڑھی کے پاس آئے اور فرش کو غور سے دیکھتے ہوئے اس دروازے کی طرف بڑھنے لگے:

"آپ یہ جوتوں کے نشانات دیکھ رہے ہیں۔"

"یہ ملازمین کے ہیں... وہ یہاں صفائی وغیرہ کے لیے آتے رہتے ہیں۔" فوزی خان نے فوراً کہا۔

"ہوں... اور وہ دیکھئے... ایک پنسل تراش... کیا یہ بھی آپ کے ملازمین کا ہے۔"

"ظاہر ہے۔" فوزی خان نے منہ بنایا۔

"ذرا اسے اٹھائیں۔"

فوزی خان نے پنسل تراش اٹھا لیا:

"کبھی اس قسم کا پنسل تراش دیکھا ہے آپ نے۔"

"کیوں! اس میں کیا نئی بات ہے۔" وہ جل گیا۔

"اس میں... جس طرح آپ کو وہ پنسل عام نظر آئی تھی... اسی طرح یہ پنسل تراش نظر آ رہا ہے... حالانکہ نہ وہ عام تھی نہ یہ۔"

"آپ... آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ اس پنسل تراش سے بھی ویسا ہی دھماکا ہو سکتا ہے... لیکن آپ جلد ہوش میں نہیں آئیں گے... یہ سوچ لیں اور اپنا جرم اگل دیں..."

"ہم نے کوئی جرم نہیں کیا۔"

"اچھی بات ہے... میں ثابت کرتا ہوں کہ یہ پنسل تراش میرے بیٹے فاروق کا ہے... یہ نہ صرف پنسل تراش ہے بلکہ ڈیجیٹل وائس ریکارڈر بھی ہے... ایک گھنٹہ بات کا یا گھنٹوں کی مسلسل باتیں بھی ریکارڈ کرتا ہے... یچے اترتے وقت اگر ان لوگوں نے کچھ بات چیت کی ہوگی تو وہ اس میں سنی جا سکتی ہے... یہ لیں میں اس کا بٹن دبا رہا ہوں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے ایک ننھا سا بٹن دبا دیا... فوراً ہی اس میں سے آواز ابھرنے لگی:

"انہیں لے جاؤ... اور کنویں میں ڈال دو تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔" یہ آواز فوزی خان کی تھی۔ انسپکٹر جمشید بھی چونک اٹھے۔ وہ بولے:

"مسٹر فوزی خان... فوری طور پر اس کنویں کی طرف چلو... ورنہ تم بھی گئے کام سے اور یہ عادل شاہین بھی گیا کام سے۔" ان کے الفاظ کے ساتھ ہی ان کے ہاتھوں میں پستول نظر آیا۔

"نہیں نہیں... گولی نہ چلانا... آیئے میرے ساتھ۔"

فوزی خان نے دوڑ لگا دی... اس کے پیچھے وہ بھی دوڑ پڑے... وہ اس کشادہ جگہ سے باہر نکلنے والے دروازے کی طرف جا رہے تھے... دروازہ کھول کر وہ باہر نکل آئے۔ پہلے اس راستے پر سیدھے چلتے رہے... پھر بائیں طرف آ گئے... اس طرف بھی ایک راستہ تھا... اور اس راستے کے ختم پر اب جھاڑیوں کا ایک اونچا ڈھیر تھا... انہوں نے جھاڑیوں کو سرکایا تو وہ آسانی سے سرک گئیں۔ اب انہوں نے دیکھا... ان کے سامنے ایک کنواں تھا:

"آپ کے ساتھی اس کنویں میں ہیں۔"

"اکرام! فوراً سیڑھی لے کر ہوٹل کے پچھلی طرف آ جاؤ..." انہوں نے بلند آواز میں کہا۔

پھر کنویں میں جھانکتے ہوئے بولے:

"تم لوگ زندہ ہو تو جواب دو..."

"ارے یہ جینا بھی کوئی جینا ہے ابا جان۔" نیچے سے فاروق کی گونجتی ہوئی آواز سنائی دی۔

اور ان کے چہروں پر اطمینان دوڑ گیا... جلد ہی سیڑھی آ گئی:

"تم لوگ سیڑھی کے ذریعے اوپر آ سکتے ہو یا ہم نیچے اتریں۔"

"ابھی تو آ ہی سکتے ہیں... ہاں آپ ایک دن بعد آتے تو شاید ہم میں یہ طاقت باقی نہ رہتی۔" محمود نے کہا۔

"اچھا تو بسم اللہ پڑھ کر آ جاؤ۔"

تینوں اوپر آ گئے... وہ کوئی خاص پریشان نہیں لگ رہے تھے:

"تم لوگوں کو انہوں نے کنویں میں گرایا کیسے تھا۔"

"دھکا دے کر۔"

"چوٹیں نہیں آئیں... کنواں تو کافی گہرا تھا۔"

"جی ہاں گہرا تو ہے... لیکن تہ خانے میں خشک گھاس کی بہت بڑی تہ موجود ہے، اس لئے کوئی خاص چوٹ نہیں آئی۔"

"چلو شکر کرو۔"

"یا اللہ تیرا شکر ہے۔" تینوں ایک ساتھ بولے۔

"مسٹر فوزی خان اور عادل شاہین، تم دونوں کیا کہتے ہو۔"

"اب ہم کیا کہیں گے۔" انہوں نے مردہ آواز میں کہا۔

"کم از کم ایک بات تو کہنی پڑے گی۔"

"وہ کیا؟"

"کھارا ڈونی۔" محمود مسکرایا۔

"کون کھارا ڈونی۔" فوزی خان نے منہ بنایا۔

"اس سے تو یہ کہانی شروع ہوئی تھی... اسی کو چھپانے یا بچانے کے لیے تو سارا کھیل کھیلا گیا تھا۔"

"اب ہم..."

فوزی خان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت دونوں تیورا کر گرے تھے:

"ارے! یہ کیا ہوا۔" انسپکٹر جمشید چلائے اور پھر انہوں نے دوڑ لگا دی۔

☆☆☆☆

پرانا ہوّا

بے آواز فائر ہوا تھا اور پھر کہیں قریب ہی سے کار کے انجن کو ریس دیئے جانے کی آواز آئی تھی۔ انسپکٹر جمشید کے پیچھے ہی انہوں نے بھی دوڑ لگا دی... جھاڑیوں کے درمیان بنا راستہ جونہی ختم ہوا، ان کے سامنے ہوٹل کے پچھلی طرف والی سڑک تھی... اس سڑک پر انہوں نے ایک کار کو آندھی اور طوفان کی طرح جاتے دیکھا:

"افسوس! جب تک ہم اپنی جیپ تک پہنچیں گے... یہ کہیں کی کہیں جا چکی ہوگی... اکرام کی ٹیم کے افراد کو اس طرف بھی موجود ہونا چاہیے تھا..."

"لیکن وہ کون تھا۔"

"شاید وہ کھارا ڈونی تھا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

پھر وہ ان لاشوں کے پاس آئے... اکرام کو فون کر کے بلایا... لاشوں کے پاس اکرام کو چھوڑنے کے بعد وہ چکر کاٹ کر دروازے

پر پہنچے ... وہاں کسی کو اس واقعے کا علم ہی نہیں تھا ... کاؤنٹر پر آتے ہی انہوں نے کہا:

"ہم ہوٹل کے مالک سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"جی! ان کا نام فوزی خان ہے وہ آخری منزل پر گئے ہیں... وہاں انہیں کچھ کام تھا۔ یا تو آپ وہاں چلے جائیں ... یا موبائل پر ان سے رابطہ کریں۔"

"فوزی خان تو منیجر ہیں۔"

"وہی ہوٹل کے مالک بھی ہیں اور منیجر بھی۔" یہ کہتے ہوئے کاؤنٹر کلرک کی نظر محمود، فاروق اور فرزانہ پر پڑی:

"ارے! یہ تو وہی ہیں جو بل دیے بغیر بھاگ گئے تھے۔"

"یہ بل دیے بغیر نہیں بھاگے تھے... اس بیرے کو بلائیں جو ان کی میز پر موجود تھا ... اس نے پانچ ہزار کا نوٹ اپنی ٹوپی میں چھپایا تھا..."

"وہ غائب ہے ... بہت دیر سے۔"

"بس تو پہلے اسے تلاش کریں... پانچ ہزار روپے اس کے پاس تھے... دوسری بات ... آپ فوراً ہوٹل کو گاہکوں سے خالی کرا دیں۔"

"خالی کرا دیں ... کیا مطلب؟"

"ہمارا تعلق انٹیلی جنس بیورو سے ہے ... ہم اس ہوٹل کو سیل کرنے والے ہیں۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"فوزی خان مارا جا چکا ہے اور اس کا دوست عادل شاہین نوری بھی مارا جا چکا ہے ... ان دونوں کی لاشیں ہوٹل کے پچھلے حصے میں پڑی ہیں... کوئی دم میں یہاں پولیس ہی پولیس ہو گی ... اس لیے میں کہہ رہا ہوں... ہوٹل کو گاہکوں سے خالی کرا دیں۔"

اس کا رنگ اڑ گیا... اب انہوں نے لفٹ کے ذریعے اوپر کا رخ کیا... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے ان سے پوچھا:

"تم ان لوگوں کے قابو میں کیسے آ گئے۔"

کمرے میں اچانک دس کلاشنکوفوں والے داخل ہوئے ... انہوں نے اپنے چہرے نقابوں سے چھپائے ہوئے تھے ... جب دس کلاشنکوفیں تین آدمیوں پر تان دی جائیں ... تو وہ بے چارے کیا کریں... وہ بھی ایک کمرے میں... بس انہوں نے کہا... سیڑھیاں اترتے چلے جاؤ... نہیں تو ہمیں بھون دیں گے ... ہم سیڑھیاں اترنے لگے ... وہ بھی ساتھ میں اتر رہے تھے ... اس وقت ہم نے یہی فیصلہ

کیا تھا کہ ان سے لڑائی مول نہیں لیتے... کیونکہ ہم بہرحال اس وقت ان کی زد میں تھے... کچھ بھی کر لیتے... نقصان میں ہم ہی رہتے۔"

"ہوں... تم نے اچھا کیا... اس کا مطلب ہے... کنوئیں میں گرا کر وہ لوگ بھی غائب ہو گئے تھے... خیر... دیکھ لیں گے ہم انہیں۔"

ہوٹل اور لاشوں کا معاملہ اکرام اور متعلقہ پولیس اسٹیشن کے حوالے کر کے وہ واپس روانہ ہوئے... کیونکہ آئی جی صاحب کی بات درمیان میں رہ گئی تھی... راستے میں انسپکٹر جمشید نے انہیں وہ تفصیل وہاں تک سنا دی... جہاں تک آئی جی صاحب نے انہیں سنائی تھی... پھر دفتر پہنچتے ہی وہ سیدھے آئی جی صاحب کے دفتر کی طرف بڑھے۔

شیخ صاحب دفتر میں ہی موجود تھے اور انہی کا انتظار کر رہے تھے:

"بہت دیر لگا دی جمشید۔"

"تفصیل سنیں گے تو حیرت زدہ رہ جائیں گے۔"

"تب پھر پہلے تم ہی تفصیل سنا دو... کیونکہ میں حیران ہونے کے موڈ میں ہوں۔"

انسپکٹر جمشید نے پوری کہانی سنا دی کہ کیسے محمود، فاروق،

فرزانہ اور خان رحمان، کھارا ڈوڈی کی تلاش میں ہوٹل نمارا گئے... کیونکہ اکرام کی طرف سے وہاں اس کی موجودگی کی اطلاع ملی تھی... انہیں یہ بھی بتانا پڑا کہ کھارا ڈوڈی کی تلاش انہیں کیوں تھی... یہ بتانے کیلئے انہیں ساری سابقہ کہانی سنانا پڑی۔

ان کے خاموش ہونے پر آئی جی صاحب بولے:

"یہ تمام حالات اور واقعات عجیب اور پراسرار ہیں... اب میں اپنے والے معاملے کی تفصیل سناتا ہوں۔"

"جی ہاں! آپ بتا رہے تھے کہ بھاگ نکلنے والے ڈاکوؤں کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا البتہ... بس آپ نے یہاں تک کہا تھا۔ البتہ سے آگے آپ کیا کہنا چاہتے تھے بھلا؟" انسپکٹر جمشید یہاں تک کہہ کر رک گئے۔

"البتہ اب دس سال گزر جانے کے بعد لگتا ہے... وہ گروہ پھر سرگرم ہوگیا ہے... اور اس کا مطلب ہے... جو تین افراد بچ نکلے تھے، انہوں نے پھر سے اپنا گروہ قائم کر لیا ہے... کسی کو گروہ کا نیا چیف بنا لیا ہے... لیکن نام اس نے بھی چاند گروہ ہی برقرار رکھا ہے۔"

یہاں تک کہہ کر آئی جی صاحب خاموش ہو گئے۔

"آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں... کیا اس گروہ کی کوئی

واردات سامنے آئی ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

'' ہاں! یہی بات ہے ... گروہ نے واردات کی ہے اور دھڑلے سے کی ہے ... وہاں پنسل کا چاند بھی چھوڑ گئے ہیں ... اس پنسل کے چاند پر لکھا ہوا ہے ... چاند گینگ۔''

'' اوہ! '' آخر انہیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی ... یہ تو پولیس کو چونکانے اور بلاوجہ خود کو نظروں میں لانے والی بات ہے۔ وہ بغیر نام کے بھی یہ کام شروع کر سکتے تھے ... اپنا نشان گرائے بغیر اپنی کارروائیاں شروع کر سکتے تھے ... آخر انہوں نے چاند کا نشان ہی کیوں پھر شروع کیا۔''

'' یہی وہ نکتہ ہے ... جس کی خاطر میں نے تمہیں یہاں بلایا تھا۔'' آئی جی مسکرائے۔

'' جی کیا مطلب؟''

'' یہ گروہ پہلے بھی چاند کا نشان استعمال کرتا رہا ہے ... اس گینگ کا لیڈر چاند تو مارا گیا تھا ... اب اس کا مطلب ہے ... گینگ کا جو نیا کرتا دھرتا ہے ... اس کا نام بھی چاند رکھا گیا ہے ... آخر کیوں؟''

'' یہ آخر کیوں بہت پیچیدہ اور مشکل ہے ... '' انسپکٹر جمشید

بڑبڑائے۔

'' کیا مطلب؟''

'' مطلب یہ کہ میں اس کیوں کا کوئی جواب نہیں دے سکتا ... محمود، فاروق اور فرزانہ تم۔'' وہ ان کی طرف مڑے۔

'' جی!'' تینوں ایک ساتھ بولے۔

'' تمہارے پاس جواب ہے اس بات کا۔''

'' جی نہیں۔'' وہ گھبرا کر بولے۔

'' اوہو! جواب دینے کی اتنی جلدی نہیں ہے ... اس پہلو پر غور کرنے کی ضرورت ہے ... اگر یہ وہی گروہ ہے تو اس نے پرانے نام سے سامنے آنے کی ضرورت کیوں محسوس کی۔'' آئی جی بولے۔

'' دو ایک باتیں ذہن میں آ تو رہی ہیں ...'' محمود نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

'' چلو بتاؤ ... ڈرنے کی ضرورت نہیں۔'' شیخ صاحب مسکرائے۔

'' ہو سکتا ہے ... اس طرح وہ اپنے ادھر ادھر بکھرے یا بکھرے ساتھیوں کو جمع کرنا چاہتا ہو۔''

'' خوب خوب! ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے ... اس کے علاوہ اور

کوئی بات؟"

"ایک ہی نام کا استعمال دہشت کی علامت بن جاتا ہے... خاص طور پر ایسا نام جس کی دھاک پہلے ہی دلوں میں بیٹھ چکی ہو۔" فاروق بولا۔

"بہت خوب! یہ بات بھی دل کو لگتی ہے۔" وہ خوش ہو کر بولے۔

"اور... اس نام کو استعمال کر کے یہ گروہ کوئی بڑا فائدہ اٹھانا حاصل کر سکتا ہے۔" فرزانہ نے گہری سوچ میں گم انداز میں کہا۔

"وہ کیا؟"

"مثلاً اس طرح ان لوگوں کو ڈاکے ڈالنے کی ضرورت ہی نہ رہے... یہ صرف اپنے خوف اور دبدبے سے لوگوں کو مجبور کر دیا کریں کہ فلاں جگہ اتنی رقم پہنچا دو ورنہ یہ کر دیا جائے گا اور وہ کر دیا جائے گا۔"

"واہ واہ! کیا بات ہے۔" انہوں نے فرزانہ کی تعریف کی۔

"گویا آپ کا مطلب ہے، یہ تینوں باتیں بالکل ممکن ہیں۔" محمود نے کہا۔

"ہاں... اور جمشید! آج تمہارے بچے تمہارے کان کاٹ

گئے۔"

"ن... نہیں تو سر۔" انہوں نے بوکھلا کر کہا اور ساتھ میں اپنے دونوں کانوں کو چھو کر بھی دیکھا۔

"میرا مطلب ہے جمشید... تم کوئی بات نہیں بتا سکے... ان تینوں نے ایک بات نادی۔"

"معاف کیجیے گا سر... یہ تینوں باتیں تو فوری طور پر میرے ذہن میں آ گئی تھیں اور میں نے سوچا تھا... یہ تینوں باتیں تو آپ کے ذہن میں بھی آ گئی ہوں گی... لہٰذا آپ تو کوئی ایسی وجہ تلاش کر رہے ہیں... جو ابھی تک ذہن میں نہیں آ سکی۔"

"اوہ ہاں جمشید... بالکل یہی بات ہے... تو کیا پھر... تم کوئی ایسی وجہ بتا سکتے ہو۔" انہوں نے بے چین ہو کر کہا۔

"سر! میں وجہ کی تلاش میں ہوں... فی الحال کوئی وجہ ذہن میں آ نہیں سکی... جونہی کوئی آئے گی... میں فوراً آپ کو بتاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے جمشید... تم لوگ جا سکتے ہو... مجھے تمہارے فون کا انتظار رہے گا۔"

"لیکن سر! آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ اس گروہ نے تازہ واردات کی کہاں ہے۔"

''ہاں! یہ بات اور زیادہ حیرت کی ہے۔'' وہ بولے۔

''جی کیا مطلب؟''

''انہوں نے واردات کی نہیں، واردات کی دھمکی دی ہے۔''

''کیا مطلب؟''

''انہوں نے مجھے فون کیا ہے۔''

''کیا!!!'' مارے حیرت اور خوف کے ان کے منہ سے نکلا۔

''ہاں جمشید! انہوں نے مجھے فون کیا تھا۔''

''اور انہوں نے کیا کہا سر'' وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولے۔

''یہ کہ... شہر میں چاند گینگ بہت جلد پھر سے اپنی کارروائیاں شروع کر رہا ہے... پولیس اپنا بچاؤ کر لے...۔''

''اور... اور وہ کام کیا ہوگا۔''

''یہ اس نے نہیں بتایا... بس اتنا کہہ کر فون بند کر دیا تھا... مجھے تو چاند گروپ یاد بھی نہیں تھا... جب اس نے یاد دلایا تو دس سال پہلے کی باتیں یاد آنے لگیں... پھر میں نے دس سال پہلے کا ریکارڈ نکلوا کر دیکھا اور جو باتیں میں تم سے کر چکا ہوں... وہ اس ریکارڈ میں پڑھ کر میں نے تمہیں فون کیا تھا۔''

''ہوں... اور سر! ہوسکتا ہے کہ یہ ہمیں الجھائے رکھنے کی چال

ہو۔''

''ہاں! نہ اس نے وقت بتایا نہ مقام... آخر پورے شہر میں کسی نامعلوم جگہ اور کسی نامعلوم وقت پر ہم کوئی واردات ہونے سے کس طرح روک سکتے ہیں۔''

''سر! یہ معاملہ واقعی بہت سنگین ہے... صرف ایک واردات پورے شہر میں سنسنی پھیلا دے گی... اور اس کے بعد وہ صرف دھمکیوں سے کام لینا شروع کر دیں گے... کیا ایک سال پہلے بھی وہ اس طرح دھمکیاں دیا کرتا تھا۔''

''نہیں صرف وارداتیں کرتا تھا... البتہ ایک بات ہے... اس گینگ کے آدمی پکڑے نہیں جاتے تھے... وہ تو آخری مرتبہ نہ جانے کس نے ہمارے محکمے کو خبر کر دی تھی... کہ پورے گروہ کو گھیر لیا گیا... اس کے باوجود ان میں سے 20 بچ نکلے تھے... اور اب شاید ان میں نے پھر جمع ہو کر اپنا ایک نیا لیڈر چن لیا ہے... اس کے تحت یہ لوگ کام کر رہے ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے... کل سے پہلے تو یہ معلوم بھی نہیں ہوگا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔''

''ہاں! یہی بات ہے۔''

"ٹھیک ہے سر... کل کا انتظار کرنے کے سوا ہم کر بھی کیا سکتے ہیں... لہٰذا ہم اجازت چاہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔"

وہ وہاں سے گھر کی طرف روانہ ہوئے... تینوں سوچ میں گم تھے:

"ایک بات ذہن میں آتی ہے۔" فرزانہ چونکی۔

"اللہ کا شکر ہے۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اور وہ کیا؟" محمود نے جلدی سے کہا۔

"یہ کہ ہم جس کیس میں اس وقت الجھے ہوئے ہیں کہیں یہ بھی تو چاند گینگ نہیں ہے۔"

"یہ ہو تو سکتا ہے... لیکن ضروری نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"ہم چاہتے ہیں کل واردات نہ ہو،ہم اسے روک لیں۔"

"بھلا ہم اس سلسلے میں کیا کر سکتے ہیں۔"

"عقل تو استعمال کر ہی سکتے ہیں۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اور یہ کام فرزانہ کا ہے۔"

"خیر تم بھی عقل سے پیدل تو... تو... تو۔" فرزانہ کی سوئی

اٹک گئی۔

"لگتا ہے کوئی بات سوجھ گئی۔"

"ذرا اس کی تو خبر لو۔"

"کس کی؟" وہ ایک ساتھ بولے۔

"اعظم کاکڑ کی... ہم نے اس کی نگرانی کے لیے اکرام کو اشارہ کیا تھا۔"

"اوہ ہاں... واقعی... ایک منٹ۔"

محمود نے کہا اور اکرام کے نمبر ڈائل کیے:

"اکرام کی آواز سنائی دیتے ہی محمود نے کہا:

"انکل... وہ... اعظم کاکڑ کا کیا بنا۔"

"ایک منٹ... میں معلوم کرتا ہوں۔" اکرام بولا۔

محمود نے مسکرا کر ان کی طرف دیکھا:

"لگتا ہے... انکل اکرام زیادہ مصروف ہیں آج کل... وہ بھی پہلے اپنے ماتحت سے رپورٹ لیں گے ...پھر بتائیں گے۔"

پھر ایک منٹ گزر گیا... دو منٹ گزر گئے... تین منٹ گزرنے پر ان کی حیرت بڑھ گئی... انہوں نے خود اکرام کے نمبر ڈائل کیے... دوسری طرف سے سلسلہ ملنے پر کہا گیا:

"وہ... کارکن نمبر 3 جسے میں نے اعظم کاکڑ کی نگرانی پر مامور کیا تھا... اس سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا ہے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

☆☆☆☆☆

خوفناک جگہ

انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف دیکھا ... اور فوراً آئی جی صاحب کے نمبر ملائے ... سلسلہ ملنے پر انہوں نے کہا:

"سر ایک بات نہیں پوچھی ... جس نمبر سے آپ کو فون کیا گیا ... اس پر آپ نے رابطہ کیا تھا۔"

"ہاں ... سم بند تھی۔"

"وہ نمبر تو بتا دیں۔"

انہوں نے نمبر نوٹ کروا دیا ... اب انہوں نے کہا:

"اور سر ایک اور بات ... اس کیس کے دوران جس میں ہم الجھے ہوئے ہیں، ایک وکیل اعظم کاکڑ سامنے آیا تھا... ہمارا خیال تھا کہ وہ ہوٹل کے منیجر کا اپنا آدمی ہے اور اس کے جرائم میں شریک ہے ... لیکن اس بات کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں تھا، اس لیے ہم نے اسے جانے دیا تھا ... لیکن اکرام کا ایک ماتحت اس کی نگرانی پر لگا دیا تھا

... اب اس نے اس ماتحت سے رپورٹ طلب کرنے کے لیے اس سے رابطہ کیا تو اس سے رابطہ نہیں ہو رہا ... جب کہ آپ واقف ہیں کہ اگر محکمے کے خفیہ ایجنٹ رابطہ کرنے پر رسپانس نہ دے تو اس کے دو ہی مطلب ہوتے ہیں کہ یا تو وہ پکڑا گیا ہے ورنہ مارا جا چکا ہے۔"

"اوہ ... کوئی بہت گہرا چکر چل رہا ہے ... وہ بھی غیر محسوس طور پر۔"

"آپ کو اطلاع دے دی ... اب ہم اس سلسلے میں اپنی کوشش شروع کر رہے ہیں سر۔"

"اچھی بات ہے۔"

فون بند کر کے انہوں نے اکرام کے نمبر ڈائل کیے:

"ہاں! اکرام کیا رہا۔"

"ہم اس کی تلاش میں نکل رہے ہیں سر... نگرانی کے الیکٹرونک آلات ہماری رہنمائی کریں گے ... اس کے پاس موجود گھڑی جی پی ایس سسٹم سے منسلک ہے ... اس کے بارے میں ان لوگوں کا خیال بھی نہیں جاسکتا کہ ہم اس گھڑی سے نکلنے والی لہروں کے رخ پر جائیں گے۔"

"بس تو پھر اکرام ... ہم بھی آ رہے ہیں... کیونکہ خطرات

منہ کھولے ہمارا رخ کر چکے ہیں۔"

"جی ... سر کیا مطلب؟"

"تم لوگ اس وقت کہاں ہو۔"

"ہم رشید چوک میں جمع ہو رہے ہیں۔"

"ہم آ رہے ہیں... اگر ہمیں پہنچنے میں دیر ہو جائے تو انتظار نہ کرنا، ہم تمہیں آ لیں گے۔"

"اوکے سر۔"

وہ تیز رفتاری سے رشید چوک پہنچے ... لیکن وہاں سب انسپکٹر اکرام اور اس کے ساتھیوں کا کوئی نام و نشان نہیں تھا ... انہوں نے فون کیا اور پوچھا:

"ہاں! اکرام کہاں ہو۔"

"سر شمالی سڑک پر، ہم اس وقت گیارہویں کلو میٹر پر ہیں۔"

"ٹھیک ہے ... ہم آ رہے ہیں۔"

اب وہ شمالی سڑک پر روانہ ہوئے ... ایک گھنٹے بعد وہ سڑک پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں اکرام اور اس کے ماتحت موجود تھے اور ان کی دو جیپیں سڑک سے ہٹ کر کھڑی تھیں:

"ہاں اکرام ... کیا رپورٹ ہے۔"

''یہاں پہنچ کر آلات آگے کا رخ ظاہر نہیں کر رہے... بلکہ دائیں طرف کا اشارہ دے رہے ہیں... ہم لوگ آپ کی وجہ سے رک گئے تھے... ورنہ آپ آگے نکل جاتے۔''

''چلو بسم اللہ کرو۔''

انہوں نے گاڑیاں سڑک سے اتار لیں اور نیچے اونچے نیچے راستے پر چلنے لگے... پھر ایک جگہ انہیں رک جانا پڑا... اکرام کا ماتحت وہاں بے ہوش پڑا تھا... وہ گاڑیوں سے اتر آئے اور اسے ہوش میں لانے کی تدابیر کرنے لگے... اس کے جسم پر کوئی زخم وغیرہ نظر نہیں آیا تھا... آخر اس نے آنکھیں کھول دیں:

''ہاں! کیا ہوا تھا۔''

''وہ... اس طرف گیا ہے سر۔''

''تمہیں کیا ہوا تھا... کیا اس نے تمہیں دیکھ لیا تھا۔''

''نہیں سر... اللہ کا شکر ہے... وہ مجھے دیکھ نہیں سکا۔''

''تب پھر تم بے ہوش کیسے ہو گئے۔''

''وہ اپنی کار میں تھا... جب وہ سڑک سے نیچے اترا تھا... تب میں اوپر ہی رک گیا تھا... لیکن قدرے پیچھے تھا... جب وہ کافی دور چلا گیا، تب مجھے گاڑی سے نیچے اترنا پڑا... میں چل پڑا... یہاں

تک پہنچ گیا... لیکن اس کی گاڑی کہیں بھی نظر نہیں آ رہی تھی... حالانکہ آگے دور تک دیکھا جا سکتا ہے، بس اس بات نے مجھے حیرت زدہ کر دیا... میں نے سوچا، نیچے اتر کر کار کی تلاش میں نکلتا ہوں... بس ادھر میں اترا... ادھر میرا ہاتھ کسی زہریلے کیڑے پر پڑا... اس نے مجھے کاٹ لیا... یا ڈس لیا... میں گرا اور پھر مجھے کوئی ہوش نہ رہا... یہ دیکھیے۔''

اس نے ہاتھ پر سے آستین ہٹائی تو وہاں ڈسنے کا نشان تھا:

''شاید وہ کوئی کم زہریلا کیڑا تھا... ورنہ تم تو گئے تھے کام سے... خیر اللہ کا شکر ادا کرو اور گاڑی میں آرام کرو... اور اسی کار میں سے بریک آئل نکال کر زخم پر مل لو... جلن اور سوزش میں کمی ہو جائے گی... بس یہ بتاتے جاؤ کہ کار کا رنگ، ماڈل اور رجسٹریشن نمبر کیا ہے۔''

اس نے بتایا کہ اسی سال کے ماڈل کی ہلکے براؤن رنگ کی امپورٹڈ کرولا تھی۔ وہ پیدل آگے بڑھے... جلد ہی انہیں ایک کار کے ٹائروں کے نشانات نظر آنے لگے... وہ ان کو دیکھ کر آگے بڑھتے چلے گئے:

''حیرت ہے، کار تو کہیں بھی نظر نہیں آ رہی۔'' اکرام بولا۔

''شاید آگے چل کر کہیں کوئی نشیبی جگہ ہے... کار وہاں کھڑی ہے، اس لیے نظر نہیں آ رہی۔''

"یہی بات لگتی ہے سر۔"

"اکرام! تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ اسی جگہ رک جاؤ... ہم آگے جاتے ہیں... بس ادھر ادھر پتھروں کی اوٹ لے لو۔"

"یس سر!"

اکرام کو وہاں چھوڑ کر آگے بڑھتے رہے... آگے کافی نشیب تھا... اور اس جگہ سے بھی کافی دور گہری کھائی نظر آ رہی تھی... برسوں پہلے یہاں ایک چھوٹی سی آبشار تھی جو بعد میں اس مقام پر لوٹ مار کی پے در پے وارداتوں کے بعد پکنک منانے والوں کیلئے بند کر دی گئی تھی... انہوں نے ہر طرف دیکھا لیکن گاڑی اب بھی دکھائی نہ دی:

"اللہ اپنا رحم فرمائے... یہ ہم کہاں آ گئے... اگر دشمن اچانک ہم پر حملہ کر دے تو شاید ہم کچھ بھی نہیں کر سکیں گے... کیونکہ وہ اس وقت چھپا ہوا ہے۔اور ہم اسے نظر آ رہے ہوں گے۔" فرزانہ نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"ٹھیک ہے... ہمیں یہاں سے اس طرح آگے نہیں بڑھنا چاہیے... خطرہ ہو سکتا ہے۔"

وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے اور درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ لے لی... اب وہ درخت سے درخت تک آگے بڑھ رہے تھے... ایک

درخت کے پیچھے سے اس وقت نکلتے جب یہ طے کر لیتے کہ اب فلاں درخت کے پیچھے جانا ہے... درخت وہاں بے تحاشہ تھے... اس طرح درختوں کے سہارے یہ سفر جاری رہا... اور پھر وہ اس کھائی کے کنارے پہنچ گئے... اب انہوں نے دیکھا... ایک کار درختوں کے ایک جھنڈ کے درمیان کھڑی تھی... کار کو دیکھ کر ان کے چہروں پر رونق آ گئی... گویا منزل سامنے آ گئی تھی۔

اب وہ اور زیادہ احتیاط سے آگے بڑھ رہے تھے... اس وقت وہ سوچ رہے تھے... اگر انہوں نے کار کے تعاقب میں اکرام کے ماتحت کو نہ بھیجا ہوتا تو وہ اس مقام تک نہ پہنچ پاتے... اور اس کیس کی شاید یہ پہلی کامیابی کی جھلک نظر آئی تھی... ورنہ اب تک تو وہ ٹامک ٹوئیاں ہی مارتے رہے تھے۔

آگے چل کر انہیں اس کھائی میں اترنا پڑا... جونہی وہ اترے... نیچے کی طرف انہیں ٹوٹے پھوٹے مکانات کے کھنڈر نظر آئے... وہ دبے پاؤں آگے بڑھے... اور بسم اللہ پڑھ کر کھنڈر میں داخل ہو گئے۔

وہ بوسیدہ دیواروں کی اوٹ لیتے اندر کی طرف بڑھتے چلے گئے... کبھی ادھر جانا پڑا، کبھی ادھر... آخر ایک بند دروازے تک پہنچ

گئے ... انہوں نے جان لیا کہ وہ کھنڈر میں یہ کمرہ درست حالت میں ہے۔انسپکٹر جمشید نے آگے بڑھ کر دروازے پر دباؤ ڈالا... وہ بند تھا... گویا اندر سے بند کیا گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی یہ بات ثابت ہو گئی کہ کوئی اندر موجود ہے ... اب تو ان پر جوش سوار ہو گیا:

''محمود ! تم اس کمرے کے گرد ایک چکر لگاؤ... شاید اندر داخل ہونے کا کوئی اور راستہ موجود ہو۔'' انہوں نے سرگوشی کی... محمود آگے بڑھ گیا... یہ وہیں کھڑے رہے۔ آخر وہ چکر کاٹ کر آ گیا۔ اس نے اشارہ کیا:

''نہیں کوئی راستہ نہیں ہے۔''

''اچھی بات ہے ... تم لوگ ادھر ادھر چھپ جانا... میں دروازے پر ہلکی ہلکی آواز پیدا کرتا ہوں... شاید وہ صورت حال جاننے کے لیے دروازہ کھول دے... ورنہ وہ دو آدمیوں کو قتل کر کے آیا ہے ... ہم پر گولی چلانے میں دیر نہیں کرے گا۔''

''جی اچھا!'' انہوں نے سر ہلا دیے۔

ان کے چھپ جانے کے بعد انہوں نے ایک کنکر اٹھا کر اس سے دروازے پر کچھ آوازیں پیدا کیں اور پھر خود بھی چند قدم کے فاصلے پر ایک دیوار کی اوٹ میں چلے گئے ... دو منٹ تک انتظار کرنے

کے بعد بھی جب اندر کوئی آہٹ نہ ہوئی تو انہوں نے پھر دروازے پر آ کر آواز پیدا کیں اور پھر پیچھے ہٹ آئے۔

اس مرتبہ ایک منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا ... اس شخص کے چہرے پر نظر پڑتے ہی وہ بڑی طرح چونکے ... وہ کھارا دوئی تھا... جو ہوٹل نمارا میں ان کے داخل ہونے کے بعد غائب ہو گیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر باہر دیکھا اور پھر لگا دروازہ بند کرنے... لیکن اسی وقت انسپکٹر جمشید نے منہ سے ایک عجیب سی آواز نکالی... وہ چونک گیا اور دبے پاؤں کمرے سے نکل آیا... جونہی وہ نکلا ، انسپکٹر جمشید نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور اس پر جا پڑے... وہ دھڑام سے گرا اور اس کے بعد انہوں نے اسے چھاپ لیا۔ اس نے ان کی گرفت سے نکلنے کی بہت کوشش کی ... لیکن خود کو چھڑوا نہ سکا:

''اگر تم خود کو مجھ سے چھڑا لیتے ہو تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔'' وہ مسکرائے۔

اس نے خوب زور لگایا۔ یہاں تک کہ زور لگا کر بالکل تھک گیا اور بڑی طرح ہانپنے لگا:

''اب میرا بھی ایک ہاتھ دیکھو۔''

یہ کہتے ہی انہوں نے اس کی کنپٹی پر ہاتھ کی ہڈی دے ماری۔

وہ فوراً بے ہوش ہو گیا ... یہ ان کا بہت دفعہ کا آزمایا ہوا وار تھا:

"یہ آپ نے کیا کیا، اب اسے اٹھا کر لے جانا پڑے گا۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں... یہ اس سے بہتر ہے کہ یہ ادھر ادھر فرار ہونے کی کوشش کرے یا خودکشی کر لے یا کسی نامعلوم سمت سے کوئی گولی آئے اور اسے چاٹ کر جائے۔"

"آپ کا مطلب ہے... ان سب باتوں کے زبردست امکانات ہیں۔"

"ہاں! اب تک پیش آنے والے حالات چیخ چیخ کر کہہ رہے ہیں کہ کوئی بہت زیادہ چالاک اور تیز ترین آدمی ان تمام حالات کو بہت غور سے دیکھ رہا ہے ... اور ہر وہ ثبوت مٹاتا جا رہا ہے... جس کے ذریعے ہم معاملے کی اصلیت تک پہنچ سکیں... لیکن اس بارے میں اسے کامیاب نہیں ہونے دوں گا... ہم انشاء اللہ کھارا ڈوٹی کو زندہ سلامت اپنے دفتر یا گھر تک لے کر جائیں گے ... یہ بہت اہم گواہ ہے اور اس کیس کا تالا شاید اس سے کھل جائے۔"

"تت... کیس کی چابی۔" فاروق نے بوکھلا کر کہا۔

"ہاں ہاں! کہہ دو یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" محمود

جل گیا۔

"اب میں کیا کہوں گا ... تم نے کہہ دیا ہے۔" فاروق نے برا سا منہ بنایا۔

انسپکٹر جمشید نے کھارا ڈوٹی کو کندھے پر ڈال لیا اور ان سے بولے: "چاروں طرف نظر دوڑاتے رہو..."

"بہت بہتر ... لیکن ہمارا خیال ہے ... آس پاس کوئی نہیں ہے ... اور اسے کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

"یہ اچھی بات ہے لیکن ہمیں احتیاط تو کرنی ہوگی ... جب میں اس پورے کیس پر غور کرتا ہوں تو یہ خیال ذہن میں سوار ہو جاتا ہے کہ کوئی اس معاملے کی نگرانی کر رہا ہے ... اور اس طریقے سے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی عام آدمی نہیں ہے... بلکہ اس میدان کا پہلوان ہے۔"

"اللہ مالک ہے۔"

وہ کھائی عبور کر کے اوپر آگئے اور اس سمت میں قدم بڑھانے لگے ... جس جگہ گاڑی کھڑی کی تھی:

"گاڑی کافی فاصلے پر ہے، آپ تھک جائیں گے۔"

"میری فکر نہ کرو ... اور چاروں طرف دھیان رکھو۔"

''ہم برابر نظر دوڑا رہے ہیں... انشاء اللہ کسی طرف سے آپ پر وار نہیں ہونے دیں گے۔''

''لیکن!'' انسپکٹر جمشید کا یہ لہجہ پریشان کن تھا۔

''جی... لیکن کیا؟''

''میں نے اس پورے میدان کا بغور جائزہ لیا ہے۔''

''جی تو پھر... آپ کو کچھ نظر آیا۔''

''یہ بات نہیں... میں نے جائزہ لیا ہے... اس کھنڈر کو پناہ گاہ بلاوجہ نہیں بنایا گیا... سوچ سمجھ کر اس جگہ کا انتخاب کیا گیا ہے... بلکہ میرا اندازہ تو یہ ہے کہ...''

''کہ... کہ کیا؟'' فاروق نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

''یہ کہ... ایک سال پہلے جب یہ گروہ کارروائیاں کرتا تھا، اس وقت بھی یہ کھنڈر ان کی پناہ گاہ تھا... یعنی واردات کر کے یہ لوگ اس کھنڈر میں آتے تھے... اپنے ہیڈ کوارٹر کا رخ نہیں کرتے تھے... جب دیکھتے تھے کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے... تو اپنے ہیڈ کوارٹر میں چلے جاتے تھے... کیونکہ... یہ جگہ۔'' وہ کہتے کہتے رک گئے... انہوں نے فوراً زمین پر لوٹ لگا دی... ساتھ ہی ان سے بولے:

''لوٹ لگا جاؤ۔''

ان تینوں نے بھی اسی لمحے لوٹ لگا دی تھی... جب انہوں نے لگائی تھی... یعنی ان کے کہنے سے پہلے... اور یہی چیز انہیں بچا گئی... گولیوں کی بوچھاڑ ان کے سروں پر سے گزر گئی تھی:

''آخر وہی ہوا... جو میں کہہ رہا تھا... اس جگہ کا انتخاب بلاوجہ نہیں کیا گیا... بس یوں سمجھ لو... ہم بری طرح پھنس گئے ہیں۔''

''نن نہیں۔''

''اللہ مالک ہے... میں رسٹ واچ کے GPS کا بٹن آن کر رہا ہوں تاکہ اکرام کو ہماری پوزیشن کا علم ہو جائے۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے بٹن دبا دیا... ساتھ ہی پھر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی... اور گولیاں ان سے صرف چند انچ اوپر سے گزر گئیں:

''جونہی وہ کچھ آگے آئیں گے، ہم ان کی زد پر ہوں گے۔''

اسی وقت رسٹ واچ پر اکرام کی آواز ابھری:

''اللہ رحم فرمائے... ادھر گولیاں برس رہی ہیں۔''

''ہاں اکرام! ہم بہت بری طرح گھر گئے ہیں۔''

''سر! GPS سے آپ کی پوزیشن واضح نہیں ہو پا رہی ہے... یہ ہمیں سمت تو بتا رہا ہے... لیکن ہمیں اس طرف جو میدان نظر

آ رہا ہے وہاں ہماری دوربینیں آپ کو دیکھ نہیں پا رہیں... شاید آپ لوگ کسی کھائی یا نشیب میں ہیں... GPS افقی پوزیشن تو دکھا دیتا ہے لیکن عمودی پوزیشن کی گہرائی نہیں دکھا پاتا... جلدی بتائیں سر... آپ کہاں ہیں۔"

انہوں نے اپنی پوزیشن سمجھائی اور یہ بھی کہہ دیا کہ ان کا موبائل اور GPS گھڑی آن رہیں گے... تاکہ اکرام اور اس کے ساتھیوں کو پہنچنے میں دقت نہ ہو۔

اب انہوں نے ہر طرف نظریں دوڑائیں... گولیاں جس سمت سے آ رہی تھیں، اس سمت کا غور سے جائزہ لیا... پھر بولے:

"اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم بھی انہیں نشانہ بنائیں... ورنہ میں انہیں زندہ گرفتار کرنے کا خواہش مند ہوں... چاند گینگ بہت مدت سے دردِ سر بنا ہوا ہے... اور اب آ کر اس نے اور زیادہ پر پرزے نکال لیے ہیں... چلو سوچ سمجھ کر فائر کرو۔ اندھا دھند نہ کرنا... جونہی کوئی زد پر آئے... فائر کر دینا۔"

وہ چاروں پیٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے... کھارا ذوتی کو انہوں نے ایک درخت کی اوٹ میں لٹا دیا تھا... اور اب اس انتظار میں تھے کہ کب کوئی ان کی زد پر آئے اور وہ فائر کریں... اسی وقت

پھر بوچھاڑ ماری گئی... تین حملہ آور نظر نہ آئے:

"دیکھا میں نے کیا کہا تھا... اس جگہ کا انتخاب سوچ سمجھ کر کیا گیا ہے... یہاں یہ لوگ ہمارے گھیرے میں نہیں آئیں گے... بلکہ ہمیں گھیرے میں لے لیں گے... اور میرا خیال ہے... یہ لوگ اس وقت یہی کام کرنے میں مصروف ہیں... یک طرفہ فائرنگ سے تو وہ ہمیں اس طرف متوجہ کیے ہوئے ہیں... باقی گروہ کے لوگ ہمیں چاروں طرف سے گھیرے میں لینے کی کوشش کر رہے ہیں اور مسلسل چاروں طرف سے ہماری طرف بڑھ رہے ہیں۔ ذرا سوچا جب ہم چاروں طرف سے گھیر جائیں گے تو ان درختوں کی اوٹ ہمارے کس کام آئے گی... اب تو دعا کرو... اکرام اور اس کے ماتحت جلد پہنچ جائیں۔"

"آمین۔" عین اس لمحے ان کے دائیں پہلو سے ان پر گولیوں کی باڑھ ماری گئی:

"ارے باپ رے۔" ان کے منہ سے نکلا۔

☆☆☆☆☆

دوسری لاش

"یہ لوگ اس طرف بھی پہنچ گئے ... فاروق، محمود تم دونوں اس طرف فائرنگ کرو گے ... اور میں اور فرزانہ سامنے۔"

"جی اچھا۔"

"اس موقعے پر خان رحمان اور پروفیسر صاحب یاد آرہے ہیں... وہ ساتھ ہوتے تو صورت حال یہ نہ ہوتی۔"

"کوئی بات نہیں ابا جان ... اللہ مالک ہے۔"

"ہاں بالکل۔"

اور پھر وہ وقفے وقفے سے فائرنگ کرنے لگے تاکہ دشمن کو معلوم ہو جائے کہ ان کے پاس بھی اسلحہ ہے ... جلد ہی تیسری طرف سے بھی ان پر فائرنگ کی گئی۔"

"فرزانہ! تم اس طرف کا رخ کر لو ... ادھر میں سنبھال لوں گا۔"

"لیکن ابا جان اس طرح کب تک کام چلے گا۔"

"تم کہاں تک پہنچے اکرام۔" انہوں نے گھڑی منہ کے نزدیک لا کر پوچھا۔

"ہمیں ابھی آپ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ تو ضرور لگیں گے سر ... کیا آپ ان لوگوں کو پندرہ منٹ تک نہیں روک سکیں گے۔"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا ... ابھی معلوم نہیں کہ ان کی تعداد کتنی ہے۔"

"خیر! ہم پوری رفتار سے آرہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔"

پھر چوتھی طرف سے بھی فائرنگ شروع ہو گئی:

"اب ہم چاروں طرف سے گھیر لیے گئے ہیں۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"اللہ مالک ہے۔"

"اور اب وہ گھیرا تنگ کریں گے ... اور آخر کار وہ ہمیں صاف دیکھ لیں گے ... جب کہ ہم انہیں ابھی تک نہیں دیکھ سکے ... اسی لیے میں نے کہا تھا کہ یہ جگہ ہمارے لیے خطرناک ثابت ہونے والی ہے۔"

"ہم آخر دم تک ان کا مقابلہ کریں گے ... زندگی اور موت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔" محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

"اب یوں کام نہیں چلے گا۔" انہوں نے فاروق کی آواز سنی۔

"کیا مطلب ... تم کیا کرنا چاہتے ہو۔"

"ہم... میں درخت پر چڑھنے جا رہا ہوں۔"

"پاگل ہوئے ہو ... بھلا اس سے کیا ہوگا ... وہ چاروں طرف درختوں کی اوٹ میں ہیں۔" محمود نے جھلائے ہوئے انداز میں سرگوشی کی۔

"ان سب کی نظریں نیچے ہیں... اوپر کوئی بھی نہیں دیکھ رہا تھا... کیونکہ ہم سب جو نیچے ہیں۔ ابھی انہیں یہ معلوم نہیں کہ ہم کون کون سے درخت کے پیچھے ہیں... اب اگر میں کسی ایک درخت پر چڑھ جاتا ہوں اور خوش قسمتی سے اس درخت کی کوئی مضبوط شاخ کسی دوسرے درخت تک جاری ہو تو میں اس پر پہنچ جاؤں گا... اس طرح ان کے دائرے سے باہر نکل کر انہیں نقصان پہنچانے کی پوزیشن میں آسکتا ہوں... یا کم از کم ان پر بوکھلاہٹ تو طاری کر ہی سکوں گا... کیا ان حالات میں اتنا ہو جانا بھی ہمارے حق میں نہیں جائے گا؟"

"ہاں کیوں نہیں۔" انسپکٹر جمشید کی آواز سنائی دی۔

"اس کے علاوہ ہم فاروق کی ترکیب سے دوسرے طریقے سے بھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔"

"اور وہ کیا ابا جان۔" فرزانہ جلدی سے بولی۔

"جب فاروق اوپر چلا جائے تو ہم یہ جگہ چھوڑ کر یہاں سے آگے بڑھ جائیں گے ... اور اس حد تک آگے بڑھ کر ان پر فائر کریں گے کہ وہ اس درخت سے آگے گزر جائیں گے، جس پر فاروق ہوگا... اس صورت میں یہ لوگ ضرور فاروق کے نشانے پر آسکتے ہیں ... اس کا بہت زبردست امکان ہے... لہٰذا ان حالات میں فاروق کی ترکیب سے بہتر کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی... اور اس کا مطلب ہے ... آخر کار آج فاروق فرزانہ کے بھی کان کاٹنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"اور مجھے اس پر بہت خوشی ہے ... بلکہ فخر بھی ہے۔" فرزانہ نے واقعی خوش ہو کر کہا۔

"شش... شکریہ۔"

"یہ وقت شکریے کے دو ٹکڑے کرنے کا نہیں ... دشمن لمحہ بہ لمحہ قریب ہو رہا ہے ... کہیں اس ترکیب پر عمل کرنے کا وقت بھی نکل جائے۔ اکرام کے پہنچنے میں بھی ابھی کچھ وقت لگے گا ... چلو فاروق،

اللہ تمہاری مدد کرے۔"

"آمین!" ان کے منہ سے نکلا۔

اور پھر فاروق اس درخت پر چڑھتا چلا گیا... جس کی اوٹ اس نے لے رکھی تھی... اب چونکہ وہ اوٹ میں تھا... اس لیے دشمن اسے درخت پر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جونہی وہ اوپر پہنچا، انسپکٹر جمشید نے انہیں اشارہ کیا:

"اب یہاں سے تیزی سے پیچھے کی طرف سرکنا شروع کردو... اور ابھی فائرنگ نہ کرنا... کافی دور جا کر ہم اس سمت میں فائر کریں گے... اس طرح دشمن یہ خیال کرے گا کہ وہ اس جگہ سے کافی آگے ہے اور پھر وہ فاروق سے آگے نکل جائیں گے۔"

"بہت خوب... مزہ آگیا..." محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"ابھی یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ مزہ آگیا... کیونکہ دشمن اس صورت میں بھی باقی تین سمتوں سے ہماری طرف بڑھ رہا ہوگا۔"

"ہوں! اللہ مالک ہے... جو ہم سے ہو سکتا ہے، وہ ہم کریں گے نا۔"

"ہاں! کیوں نہیں۔"

اور پھر وہ آگے بڑھتے چلے گئے... بہت آگے جا کر انہوں نے

اس سمت میں فائر جھونک مارے... دشمن بدستور چاروں طرف سے فائرنگ کر رہا تھا، اور فاروق کی سمت والے حملہ آوروں نے جان لیا کہ ان کا شکار کافی آگے ہے... لہٰذا وہ بے خوف ہو کر آگے بڑھتے چلے گئے۔ اور اس طرح فاروق نے انہیں دیکھ لیا... اس نے اس لمحے خوشی محسوس کی... چند منٹ بعد وہ مکمل طور پر اس کی زد میں تھے... اس نے اللہ کا نام لے کر انہیں زد پر لیا اور فائرنگ کرتا چلا گیا... اوپر تلے تو دس چیخیں... دل دوز چیخیں جنگل میں گونج گئیں... اور پھر جیسے یک دم موت کا سناٹا چھا گیا... جس وقت سے فائرنگ کا یہ کھیل شروع ہوا تھا، اس وقت سے اب تک پہلی بار چیخیں گونجی تھیں... دشمن پر سکتہ طاری ہو گیا...

ادھر فاروق کی فائرنگ سے بچنے کے لیے باقی لوگ لوٹ لگا کر ادھر ادھر درختوں کی اوٹ میں ہو گئے تھے... لیکن اس وقت یہ بھول گئے تھے کہ ان پر کمر کی طرف سے بھی فائرنگ ہو سکتی ہے... ان کے خیال میں تو ان چاروں دشمنوں نے ان پر فائرنگ کی تھی جس کے نتیجے میں ان کے دس کے قریب آدمی مارے گئے تھے... اور یہی وہ وقت تھا جب انسپکٹر جمشید، محمود اور فرزانہ حرکت میں آئے... وہ جتنا پیچھے ہٹے تھے... اتنا ہی واپس پلٹ آئے... چھپے ہوئے چھ سات آدمی

اب ان کی زد پر تھے ... کیونکہ ان کی طرف سے دشمن بالکل بے خبر تھا... وہ تو فاروق کی طرف منہ کیے اسے تلاش کر رہا تھا... یعنی یہ جاننے کی کوشش میں تھا... وہ کہاں چھپا ہوا ہے ،جس نے ان کے ساتھیوں کو موت کی ابدی نیند سلا دیا ہے... آخر وہ اتنے فاصلے پر آگئے کہ انہیں آسانی سے نشانہ بنا سکیں... بس پھر کیا تھا... تینوں نے نشانہ لیا اور فائر کر ڈالے ...ایک بار پھر چیخیں ابھریں... اور دشمن تڑپتے پھڑکتے نظر آئے...دوسری طرف ایک بار پھر موت کا سناٹا طاری ہوگیا... وہ تو یہ خیال کر رہے تھے ... کہ انہوں نے اپنے شکار کو گھیرے میں لے لیا ہے ... لیکن اب بات اس کے الٹ ہو رہی تھی... عین اسی وقت انسپکٹر جمشید کو ایک خیال سوجھا... انہوں نے کہا:

'' فاروق جلدی کرو... نیچے آجاؤ... محمود ، فرزانہ تم بھی تیار رہو ... یہ بہت سنہری موقع ہے ۔ جلدی کرو فاروق ۔''

یہ باتیں انہوں نے سرگوشی اور اشاروں میں کی تھیں...فاروق چیتے کی سی تیزی سے نیچے اتر آیا:

'' آؤ... جلدی کرو... لیکن جھک کر چلنا۔''

انہوں نے وہاں سے اس سمت میں دوڑ لگا دی جس سمت سے دشمن آگے چلا گیا تھا اور فاروق کی گولیوں کا نشانہ بن گیا تھا... اب وہ

سمت دشمنوں سے خالی تھی۔ باقی دشمن تین سمت میں تھے ... اور جب انہوں نے محسوس کر لیا کہ وہ گولیوں کی رینج سے نکل آئے ہیں تو سیدھے ہو کر دوڑنے لگے... وہ اس قدر تیز دوڑے کہ بہت کم موقعوں پر دوڑے ہوں گے ... آخر سڑک پر اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہوں نے اپنی گاڑی چھوڑی تھی... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... گاڑی میں بیٹھے...اسے اسٹارٹ کیا اور سڑک پر لے آئے...ابھی انہوں نے گاڑی کا رخ شہر کی طرف کیا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید کے منہ سے زوردار انداز میں نکلا:

'' فاروق ! تم بہت اچھے رہے ... تمہارا آج کا کارنامہ زبردست رہا... اب ہم یہاں کہیں چھپ کر اکرام کا انتظار کریں گے... ٹھہرو... میں پتا کرتا ہوں... وہ کہاں تک پہنچا ہے ... تم جنگل کی طرف دھیان رکھو... کیونکہ اب وہ سڑک کی طرف دوڑ لگائیں گے۔''

یہ کہہ کر انہوں نے اکرام کا نمبر ملا دیا... اس نے فوراً کہا:

'' سر GPS کے ذریعے ہم نوٹ کر چکے ہیں کہ آپ گاڑیوں کی سمت پہنچ چکے ہیں... ہم بس پہنچ رہے ہیں... ایک آدھ منٹ میں۔''

'' بہت خوب !''

اب وہ پھر گاڑی ایک طرف اتار کر درختوں کی اوٹ میں ہو

گئے، کیونکہ دشمن کسی وقت بھی وہاں پہنچ سکتا تھا۔ اور ادھر اکرام اور اس کے ماتحت پہنچنے والے تھے...

اور پھر آخر اکرام وغیرہ وہاں پہنچ گئے:

"اکرام جلدی کرو... سڑک کے آس پاس جو درخت ہیں... ان کی اوٹ لے لو، درختوں کو مورچے بنا لو، دشمن چالیس کے قریب تو ضرور ہیں اور سب کے سب اسلحے سے لیس ہیں۔"

"فکر نہ کریں سر... اب ہم انہیں دیکھ لیں گے... پیچھے ہمارے اور ساتھی آ رہے ہیں۔"

"بہت خوب!"

انہوں نے جلدی جلدی مورچے قائم کر لیے... اب وہ دشمن کا استقبال کرنے کے لیے بالکل تیار تھے۔ اکرام نے اپنے ایک ماتحت کمانڈو کو وہاں سے کچھ آگے بھیج دیا... تاکہ آنے والے ساتھیوں کو پہلے ہی اس طرف احتیاط سے لائے، کیونکہ ان کے آنے تک اس جگہ معرکہ شروع ہونے کا امکان تھا... اور پھر یہی ہوا... جنگل کی طرف سے بے تحاشہ دوڑ کر آتے ہوئے اسلحے سے لیس لوگ انہیں نظر آ گئے:

"کیا خیال ہے سر... کیا ہم انہیں ہتھیار ڈال دینے کی پیش کش کریں۔" اکرام نے پوچھا۔

"یہ ہتھیار نہیں ڈالیں گے... اور پیشکش کا نقصان یہ ہوگا کہ سب درختوں کی اوٹ میں ہو جائیں گے اور یہ ہمارے نشانے پر نہیں آئیں گے... یہ سب ظالم ہیں... قاتل ہیں... ان پر رحم کیسا... بھون ڈالو انہیں۔" انہوں نے سرد لہجے میں کہا۔

رائفلیں تن گئیں... نشانہ لے لیا گیا... جونہی دوڑ کر آتے لوگ زد پر آئے... انہیں گولیوں کی باڑھ پر رکھ لیا گیا... وہ اچھل اچھل کر گرے اور ختم ہوتے گئے... آن کی آن میں تیس کے قریب مارے گئے... باقی جان توڑ کر بھاگے:

"ان کا تعاقب ہوشیاری سے کرو... اندھا دھند آگے نہ بڑھنا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید بھی ان کی طرف دوڑ پڑے... ان کا پستول برابر گولیاں اگل رہا تھا... یہی حال محمود، فاروق اور فرزانہ کا تھا... ان کے ساتھ اکرام کے ماتحت بھی تھے... مسلسل گولیاں برساتے وہ آگے بڑھتے چلے گئے... انہوں نے چھ سات کو اور گرا لیا... اور اب ان کے اندازے میں چند ایک ہی بچے تھے... ان کی تلاش میں بھی وہ ادھر ادھر دوڑ رہے تھے... کافی دوڑ بھاگ کے بعد آخر میدان خالی ہو گیا... ان کے خیال میں چند ایک دشمن تو ضرور ہی فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے تھے... لیکن اس سے زیادہ وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔

اب اکرام کے ماتحت لاشیں جمع کر رہے تھے اور انسپکٹر جمشید کھارا ڈوئی کو تلاش کر رہے تھے... اس ہنگامی صورت حال میں کھارا ڈوئی کو ایک درخت کے پیچھے چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے... آخر بہت دیر بعد وہ اسے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے... باقی جتنے لوگوں کو گولیاں لگی تھیں، وہ سب کے سب مارے گئے تھے... ان میں وکیل اعظم کاکڑ کی لاش بھی تھی... گویا اب یہ ثابت ہو گیا تھا کہ وہ بھی انہی میں سے ایک تھا... جب تمام لاشوں کا معائنہ کیا تو ان میں موجود ایک لاش کو دیکھ کر وہ چونک اٹھے۔ اس کے جسم پر جو لباس تھا، وہ ان سب سے مختلف تھا... اس کے لباس میں سونے چاندی کی تاروں سے کام کیا گیا تھا... اور اس کے لباس پر سونے کا ایک چاند بھی لگایا گیا تھا... اس چاند کے گرد ننھے ننھے ہیرے جڑے گئے تھے:

"یہ... یہ کیا... چچ... چاند۔" محمود نے بوکھلا کر کہا۔

"چاند کی لاش۔" فاروق کے منہ سے نکلا۔

"بلکہ... دوسرے چاند کی لاش۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اوہ... یہ... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" فاروق بول پڑا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کھارا ڈوئی دراصل چاند گینگ کے

لیے کام کرتا ہے۔"

"یعنی کھارا ڈوئی، وہ شخص جو ندیم زواری کے گھر میں اس کے پڑوسی کو پستول کی زد پر لے کر داخل ہوا تھا کہ وہاں سے کچھ اہم سراغ غائب کر لے، اس کا تعلق چاند گینگ سے ہے... تو اس کا مطلب یہ ہوا ندیم زواری اور اس کے مقتول ساتھیوں کا بھی اس گینگ سے تعلق تھا۔"

"اب اس کا کافی امکان نظر آ رہا ہے کہ راف کارپوریشن والے چکر اور چاند گینگ کے درمیان کوئی نہ کوئی تعلق ضرور ہے۔"

"ایک سال پہلے بھی اسی قسم کے لباس والے ایک شخص کی لاش ملی تھی... ہمارے سراغرسانوں نے یہ خیال کر لیا تھا کہ گروہ کا لیڈر یعنی چاند مارا جا چکا ہے... اور آج پھر چاند مارا گیا ہے۔ اس کا مطلب ہے... بچ جانے والے ساتھیوں نے پھر سے گروہ ترتیب دے لیا اور نئے لیڈر کا نام بھی چاند قرار دے دیا... یعنی جو بھی لیڈر بنتا ہے اس کو چاند کے نام سے پکارا جاتا ہے... اسی لیے یہ گروہ چاند گینگ کہلاتا ہے... کل سے ہمارے شہر میں یہ گروہ پھر سے اپنی کارروائیوں کا آغاز کرنے والا تھا... لیکن اب ایسا نہیں ہو سکے گا... ایک نیا گینگ ترتیب دینے میں بھی انہیں وقت لگ گیا تھا... باقی تفصیلات ہم

انشاء اللہ کھارا ڈونی سے حاصل کریں گے ... اس مرتبہ آخر کار ہم ان کا
ایک ساتھی زندہ گرفتار کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں... اس سے ہمیں
بہت معلومات حاصل ہوں گی انشاء اللہ!"

لاشوں کا معاملہ اکرام کے حوالے کر کے وہ کھارا ڈونی کو ساتھ
لے کر شہر کی طرف روانہ ہوئے اور سیدھے خفیہ ٹھکانے نمبر تین پہنچے...
یہاں وہ اسے کمرہ امتحان میں آئے... جلد ہی اسے شکنجے میں کس دیا
گیا... اس کے بعد ہوش میں لایا گیا... اس وقت انسپکٹر جمشید نے اس
سے کہا:

"کھارا ڈونی، مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں... چاند گینگ کے
پینتالیس آدمی مارے گئے ہیں... پانچ سات فرار بھی ہو گئے ہیں...
لیکن مرنے والوں میں چاند کی لاش بھی موجود ہے۔"

"کیا!!!" وہ بری طرح چلا اٹھا۔

"ہاں! تم پسند کرو گے تو تمہیں ان سب کی لاشیں دکھا دیں
گے... اب تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ اس گروہ کے بارے میں تمام
تر معلومات دے دو... ان کے ہیڈ کوارٹر کے بارے میں بتا دو... ورنہ
ہم تم سے کوئی رعایت نہیں کریں گے... اول تو یہ شکنجہ ہی تمہارے لیے
کافی ہو جائے گا... اور اگر تم کچھ زیادہ سخت ثابت ہوئے تو اس شکنجے

کے ابھی دو درجے اور ہیں... آخری درجے تک پہنچتے پہنچتے تمہاری
ہڈیوں کا کچومر نکل جائے گا... تم اسے بھی پی گئے تو ہمارے پاس ایسے
حربے موجود ہیں... کہ انسان کی روح کانپ اٹھتی ہے... مثلاً بانس
کے پودے والا حربہ ہے... بانس کا پودا جب تمہاری ناف میں گھسنا
شروع ہو گا تو تم اس طرح فر فر بولو گے کہ میں بیان نہیں کر سکتا... اب
تم سوچ لو... کیا کرنا ہے۔"

"کیا واقعی چیف چاند مارے جا چکے ہیں۔" اس نے کھوئے
کھوئے انداز میں کہا۔

"ہم اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آ رہے ہیں... تم
اس وقت بے ہوش تھے... ورنہ تمہیں بھی دکھا دیتے... اب بھی اگر تم
دیکھے بغیر یقین کرنے پر آمادہ نہیں ہو تو ہم تمہیں دکھا دیتے ہیں۔"

"نہیں... مجھے تمہاری بات پر یقین ہے... جب سب کچھ
ختم ہو چکا ہے تو میں اب ان باتوں کو راز رکھ کر کیا کروں گا۔"

"تو پھر شروع ہو جاؤ... اور یہ بھی جان لو کہ اگر تم نے سب
سچ سچ بتا دیا تو ہم تمہاری سزا میں کمی بھی کرا دیں گے۔"

"اچھی بات ہے... لیکن پہلے مجھے اس شکنجے سے نکالا جائے
... میں سخت تکلیف میں ہوں۔"

"چلو ہم تمہاری یہ بات بھی مان لیتے ہیں۔" انہوں نے مسکرا کر کہا۔

اور پھر اسے شکنجے سے اتار لیا گیا... آرام کرسی پر بٹھا دیا گیا ... آخر اس کے ہونٹ ہلنے شروع ہوئے:

☆☆☆☆☆

نئی اطلاع

"میں ایک سال سے اس گروہ کا کارکن ہوں۔ تقریباً تمام کارروائیوں میں شریک رہا ہوں... اس گروہ کے باس کو آج تک کسی نے نہیں دیکھا... وہ بس اپنے نائب سے، جسے ہم چیف چاند کہتے ہیں، رابطہ رکھتا ہے ... اسے ہدایات دیتا ہے، چیف چاند امتیازی کپڑے پہنتا ہے ... ان کپڑوں پر سونے چاندی کے تاروں سے کام کیا ہوتا ہے ... یہ اس کا خاص نشان ہے ... اس کے باوجود اصل لیڈر کوئی اور ہے ... اس کے بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں ... اگر کسی کو کچھ معلوم ہو تو چیف چاند کو معلوم ہوتا ہے اور بس۔ سارے گروہ کو ہدایات یہی چیف چاند دیتا ہے ... اصل لیڈر گینگ کے اپنے پسندیدہ ترین آدمی کو اس وقت چاند کے عہدے پر فائز کرتا ہے، جب پرانا چاند مارا جاتا ہے ... یہ باتیں پہلی بار آپ کے سامنے آرہی ہیں... ورنہ اس سے پہلے جب کسی مہم میں چیف چاند اور کچھ ساتھی مارے جاتے ہیں تو پولیس یہ

خیال کر لیتی ہے کہ چاند گینگ کا سرغنہ مارا گیا ہے... ایک سال یا کم
وبیش مدت بعد جب پھر گروہ کی کارروائیاں جاری ہو جاتی ہیں تو خیال
کیا جاتا ہے کہ گروہ کے بچے کھچے لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے اپنا نیا
لیڈر کسی کو چن لیا ہے... چنانچہ میں نہ پکڑا جاتا تو اس بار بھی یہی خیال
کر لیا جاتا... اور جب تک چاند کسی مہم میں نہیں مارا جاتا، اس وقت
تک کارروائیاں جاری رہتی ہیں... اگر وہ کسی مہم میں کام آجاتا ہے تو
کارروائیاں رک جاتی ہیں... کیونکہ اصل لیڈر کا تو دوسروں سے رابطہ
ہوتا نہیں... اب وہ کسی طرح پھر سے گروہ ترتیب دیتا ہے... چاند
مقرر کرتا ہے اور اسی کو ہدایات دیتا ہے... یعنی جو کچھ بھی کرنا ہوتا
ہے... وہی بتاتا ہے، چاند بھی اپنی مرضی سے کوئی واردات نہیں کرتا...
واردات بھی اصل باس تجویز کرتا ہے۔ آج بھی نائب سردار یعنی چیف
چاند مارا گیا ہے... لہٰذا اب جو ساتھی بچ گئے ہیں، وہ فوری طور پر
غائب ہو جائیں گے... کچھ مدت بعد اصل سردار خود لوگوں کو جمع کرے
گا... یہ معلوم نہیں کہ وہ کیسے رابطہ کرتا ہے۔" یہاں تک کہہ کر وہ
خاموش ہو گیا۔

"ہوں..." ان کے منہ سے نکلا اور وہ سوچ میں گم ہو گئے،
ایسے میں محمود نے پوچھا۔

"ندیم زواری کے ٹھکانے پر تم کیا کرنے گئے تھے۔"

"ندیم زواری بے حد چالاک آدمی تھا... اس نے چاند گروہ
کے بہت سے ارکان کی ایک فہرست بنا کر رکھ چھوڑی تھی... مجھے حکم ملا
تھا کہ وہ لسٹ اس کے گھر سے اڑا لاؤں۔"

"تو اب کہاں ہے وہ لسٹ..."

"وہ تو میں نے چیف چاند کو پہنچا دی تھی..."

"اس وقت گروہ میں کل کتنے افراد تھے۔"

"پچاس! یہ گروہ ہمیشہ پچاس آدمیوں پر مشتمل ہوتا ہے...
کم نہ زیادہ..."

"ہوں... مطلب یہ کہ تم ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔" محمود
نے منہ بنایا۔

"جو مجھے معلوم ہے... وہ بتا سکتا ہوں۔"

"اچھا... بتاؤ... تم لوگوں کی رہائش کا کیا انتظام ہے...
چاند خود کرتا ہے... یا تم لوگوں کو اپنی ذاتی جگہوں میں رہنا ہوتا ہے۔"

"نہیں... رہائش ہر کارکن کو اس کی طرف سے ملتی ہے...
نائب چیف خود رہائش فراہم کرتا ہے... ایسا لگتا ہے... جیسے اس شہر
میں اس گروہ کے پچاس مکانات مختلف جگہوں پر ہیں... بس وہ ان میں

اپنے آدمیوں کو رکھتا ہے... جہاں تک میرا خیال ہے کہ نائب چیف اور چیف چاند کے اوپر بھی کوئی ہے جو اس گروہ کا اصل کرتا دھرتا ہے۔"

"اوہ!" ان چاروں کے منہ سے چونکنے کے انداز میں نکلا... کیونکہ اس کیس کی ابتدا کرائے کے ایک مکان سے ہوئی تھی... اور وہ مکان کچھ لوگ خالی کرانا چاہتے تھے... اور شاہ کی والدہ نے وہ مکان کرائے پر لے رکھا تھا... راقب کارپوریشن کے لوگوں نے کرایہ وصول کر لینے کے بعد بھی وہ مکان شاہ کی والدہ سے خالی کرا لیا تھا... اور اب ایسا لگ رہا تھا کہ جس شخص کو وہ مکان دیا گیا تھا... اس کا تعلق چاند گینگ سے تھا... اس کا مطلب تھا کہ راقب کارپوریشن کے ان ملازمین کا جو شاہ کی والدہ سے مکان خالی کروانے آئے تھے ان کا بھی تعلق چاند گینگ سے تھا... یہ ایک حیرت انگیز اتفاق تھا کہ دونوں معاملات کی کڑیاں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی تھیں۔ ابھی تک تو وہ اس اتفاق کے امکانات پر غور کرتے رہے تھے لیکن اب کھارا ڈونی کی اس بات کے بعد یہ بات یقین کی حدوں کو چھونے لگی تھی... ان خیالات کا آنا تھا کہ انسپکٹر جمشید اچھل کر کھڑے ہو گئے... انہوں نے فوراً اکرام سے کہا:

"فوری طور پر راقب کارپوریشن کو گھیرے میں لے لو...

کوئی آدمی وہاں سے جانے نہ پائے۔"

"بہت بہتر سر۔"

"جب گھیرا مکمل ہو جائے... تب مجھے فون کر دینا... میں وہاں آ جاؤں گا۔"

"بہت بہتر سر۔"

اکرام فوراً حرکت میں آ گیا... اس کے جانے کے بعد وہ پھر کھارا ڈونی کی طرف متوجہ ہوئے:

"کیا تم نے کبھی بھی اصل سرغنہ کی آواز سنی تھی... یا اسے کہیں دیکھا... یا پھر یہ شک کہ اصل سرغنہ کوئی اور ہے بھی خیال کی حد سے آگے نہیں بڑھ سکا۔"

"نہیں بالکل نہیں... بلکہ میں نے کیا... کسی نے بھی نہ اسے کبھی دیکھا... نہ اس کی آواز سنی... یعنی یہ صرف ہمارا اندازہ تھا۔"

"ہمارا... کیا مطلب... کیا تمہارے اور ساتھیوں کا بھی یہی خیال تھا..."

"ہاں! اور ساتھی بھی کچھ ایسا ہی سوچتے تھے۔"

"اچھا کوئی اور بات جو تم بتا سکو۔"

وہ سوچ میں گم ہو گیا... پھر محمود نے ہی اس سے پوچھا:

"تم اس کھائی والے کھنڈر میں کیوں پہنچ گئے تھے۔"

"وہ پورے گروہ کی جانی پہچانی جگہ ہے... کسی کو بھی کسی وقت فرار ہونا پڑے تو وہ اپنے گھر نہیں جائے گا... سیدھا وہاں جائے گا اور خطرہ ٹلنے پر گھر جائے گا... اسی لیے میں نے بھی وہاں کا رخ کیا تھا۔"

"اور فوزی خان اور عادل شاہین کو ہلاک کرنے کا حکم تمہیں کیسے ملا؟"

"نائب چیف نے صورت حال بتائی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے بچے ہوٹل کے تہ خانے میں اتر گئے ہیں، اب ظاہر ہے، وہ ہوٹل کے پچھلے حصے کی طرف باہر نکلیں گے... جہاں جھاڑیاں ہیں... لہٰذا میں وہاں پہنچ جاؤں اور ان دونوں کا کام تمام کردوں... بس میں نے اس کے حکم کی تعمیل کر ڈالی... پتا نہیں آپ کس طرح مجھ تک پہنچ جانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس پر مجھے حیرت ہے۔"

"ہم بھی دن رات ایسے ہی کام کرتے رہتے ہیں نا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے... پھر انہوں نے پوچھا:

"اور یہ دونوں بھی کیا گروہ کے آدمی تھے۔"

"نہیں... گروہ کے لوگ ہوٹل کے گاہک ہیں... اس لیے نائب چیف ہوٹل کے مالک سے رابطہ رکھتا ہے... اور ایسے موقعوں پر ہم لوگوں کو چھپاتا بھی ہے۔ یہ لوگ دراصل اس گروہ کے طرفدار تھے... اصل میں ان کا ہوٹل ہے ہی ایسے لوگوں کا... اب چونکہ وہ پھنس رہے تھے... ان کی وجہ سے ہم لوگ بھی پھنس جاتے... لہٰذا انہیں ختم کرا دیا گیا۔"

"لیکن... یہ بات سمجھ میں نہیں آئی... کہ عادل شاہین اور فوزی خان اگر گرفتار ہو جاتے تو ان کی مدد سے بھلا ہم کیسے تم لوگوں کا سراغ لگا لیتے۔"

"نائب چیف کا تو ان سے رابطہ تھا نا۔"

"اوہ ہاں!... اور فوزی خان تو چلو ہوٹل کا مالک یا منیجر تھا... یہ عادل شاہین کیا تھا۔"

"عادل شاہین بھی ہوٹل کے مالکوں میں سے ایک تھا۔"

"خوب! تم سے کافی قیمتی معلومات حاصل ہوئیں... امید ہے، اب ہم اصل چیف تک پہنچ جائیں گے۔"

"چلیے کچھ تو ہوا۔" وہ اداس انداز میں مسکرایا۔

"چلتے چلتے ایک بات اور... آخر یہ گروہ لوٹ مار کر کے اور

قتل و غارت گری کر کے کیا چاہتا تھا۔"

"ظاہر ہے دولت ہی حاصل کرتا تھا اور بھلا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"ایسے لوگوں کے کچھ مقاصد بھی ہوتے ہیں... خیر وہ ہم معلوم کر لیں گے ... اچھا تمہیں کوئی اور خاص بات بتانے کا خیال آجائے تو حوالات کے باہر موجود ملازم سے کہہ دینا ... وہ رابطہ کرا دے گا۔"

"تو آپ مجھے حوالات میں رکھیں گے۔"

"وہ تو مجبوری ہے ... آخر تم نے اس گروہ میں رہ کر قتل بھی کیے ہوں گے، لوٹ مار بھی کی ہوگی ... ہم سزا میں کمی کرائیں گے ... اپنا وعدہ پورا کریں گے ... یہ نہیں کہ تمہیں بالکل فارغ کر دیا جائے... ہاں اگر تم نے کوئی قتل نہیں کیا ہوگا ... تو اس صورت میں وعدہ معاف گواہ بنائیں گے اور سزا بالکل ختم کرائیں گے ... فی الحال مقدمہ چلے گا... ہم بچے ہوئے لوگوں کو بھی ان شاء اللہ گرفتار کریں گے ... اصل فکر تو ہمیں سات پردوں میں چھپے سرغنہ کی ہے۔"

وہ اٹھ کھڑے ہوئے ... گھر کی طرف جا رہے تھے کہ اکرام کا فون موصول ہوا۔ اس نے بتایا:

"سر! راقب کارپوریشن کے جنرل منیجر کے پاس عدالت کا حکم امتناعی اور ضمانت قبل از گرفتاری کے کاغذات موجود ہیں جس کی رو سے نہ ہم اس ادارے کو سیل کر سکتے ہیں اور نہ اس کے عملے کے چیدہ چیدہ لوگوں کو گرفتار کر سکتے ہیں۔"

"کیا!!!" انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"ویسے بھی ادارے میں کوئی موجود نہیں ہے... پورا عملہ غائب ہے۔"

"اوہ! تو کیا تم تلاشی بھی نہیں لے سکتے۔"

"نہیں سر! تلاشی تو خیر لی جا سکتی ہے... لیکن میں نے اپنے طور پر فیصلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

☆☆☆☆☆

دبے پاؤں

چند لمحے سکتے کے عالم میں گزر گئے۔

آخر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''اس کا مطلب ہے کہ انہیں پہلے ہی اندیشہ تھا کہ ہم ایکشن کرنے والے ہیں اسی لئے انہوں نے حکم امتناعی اور ضمانت قبل از گرفتاری کا سہارا لیا... ٹھیک ہے اکرام ... وہیں ٹھہرو ... ہم آرہے ہیں... اب اس دفتر کو اندر سے دیکھنا ہوگا۔''

''کیا میں اندر داخل ہو جاؤں۔''

''احتیاط کی ضرورت ہے اکرام ...'' انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''جی کیا مطلب ؟''

''ہوسکتا ہے ... سارے ملازم اندر ہی چھپے ہوئے ہوں... فوری طور پر غائب ہونے کا یہ آسان طریقہ ہے ... اور اگر وہ اندر ہی

ہیں، تب اندر داخل ہونے پر خطرناک صورت حال سامنے آسکتی ہے۔''

''آپ کا شکریہ سر! یہ بہت اہم بات ہے۔''

''لہٰذا پہلے ہم لوگ آجائیں ... پھر اندر جائیں گے۔''

''اوکے سر۔''

اور پھر وہ راقب کارپوریشن پہنچ گئے... جنرل منیجر بھی جا چکا تھا اور اب وہاں سیکورٹی گارڈز کے علاوہ کوئی موجود نہ تھا... ہر طرح کی احتیاط کرنے کے بعد صدر دروازہ کھولا گیا ... اور وہ دیکھ کر بھال کر اندر داخل ہوگئے... دفتر خالی پڑا تھا ... پوری عمارت کو چھانا گیا... وہاں صرف قرضوں کی فائلیں تھیں اور بس بنک وغیرہ کے کاغذات۔ چیک بکیں بھی وہ لوگ ساتھ لے گئے تھے:

''یہاں تو کچھ نہیں اکرام ! زیادہ سے زیادہ انگلیوں کے نشانات مل جائیں گے۔'' انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

''تب پھر سر ... کیا کیا جائے۔''

''کیوں نہ اس ادارے کے مالکان سے بات کی جائے۔''

''ہاں یہ تو خیر بہت اہم ہے... لیکن پہلے ہمیں پتا لگانا ہوگا کہ اس ادارے کا مالک کون ہے... اور پھر یہ بھی کہ وہ ملک میں ہے یا بیرون ملک... لیکن اس وقت یہاں سے انگلیوں کے نشانات تو حاصل کر

ہی ہوں گے... ہوٹل نمارا سے بھی نشانات ملے ہوں گے ... ان کا آپس میں موازنہ کرانا ہوگا ...''

''یہ سب تو خیر معمول کی کارروائی کے طور پر ہم کریں گے ... لیکن سوال تو یہ ہے کہ کیا اس ساری کارروائی سے ہمیں کوئی فائدہ ہوگا ... ہم اس کیس کے اصل مجرم تک پہنچ سکیں گے جو سات پردوں میں چھپا ہوا ہے۔'' اکرام کے لہجے میں مایوسی نمایاں تھی۔

''کچھ نہیں کہا جا سکتا اکرام ... کہ کسی کام کا تو کوئی فائدہ ہوگا یا نہیں... لیکن بہرحال یہ کام ہمیں کرنا تو ہوگا۔''

''بہت بہتر سر۔''

''ٹھیک ہے اکرام... تم اپنا کام کرو ... ہم لوگ گھر چلتے ہیں... وہاں بیٹھ کر سوچ بچار کرتے ہیں...''

☆☆☆

گھر پہنچ کر محمود نے دروازے کی گھنٹی بجائی ... بیگم جمشید نے دروازہ کھولا تو ان کے چہرے پر غصے کی علامات تھیں:

''تو ہو گئے آپ کیس سے فارغ۔''

''فارغ ہی تو نہیں ہوئے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا مطلب؟''

''ابھی تو اصل کام باقی ہے ... اصل مجرم نہیں پکڑا جا سکا... بلکہ ابھی تو ہمیں معلوم بھی نہیں کہ وہ ہے کون؟''

''تب تو کیس پر بہت سا کام باقی ہوگا۔''

''نہیں شاید... بھاگ دوڑ والا کام باقی نہیں ہے... بس غور کرنا ہے...''

''تب پھر غور سے پہلے کھانا کھا لیں، ورنہ اچھی طرح غور نہیں ہو سکے گا۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔''

کھانے کے بعد وہ اسٹڈی میں آ گئے ... اور قالین پر گاؤ تکیوں کے سہارے نیم دراز ہو گئے... یہ ان کے سوچنے کا خاص انداز تھا:

''اس کیس میں میں شروع سے شامل نہیں رہا ... لہٰذا تم شروع کی تفصیل ... یعنی میرے شامل ہونے سے پہلے کی تفصیل ایک بار پھر مجھے بہت احتیاط سے سنا دو ... یعنی کوئی بات رہ نہ جائے ... شاید ایک آدھ اہم بات ہماری یادداشت سے محو ہو رہی ہے ... اس بار میں ساتھ میں نوٹس لیتا رہوں گا۔''

''جی بہت بہتر!'' محمود نے کہا... پھر انسپکٹر جمشید فرزانہ کی

طرف مڑے۔

"فرزانہ! میرے خیال ہے... تم شروع کرو۔"

"اچھی بات ہے... دراصل یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی تھی... جب میں نے کلاس روم میں اپنی سہیلی شاہ کو پریشان دیکھا... اس نے بتایا... اس کی والدہ نے ایک ادارے سے قرض لیا تھا... آج انہیں قرض ادا کرنا ہے... لیکن وہ ابھی تک رقم کا انتظام نہیں کر سکیں... اس پر میں نے اسے تسلی دی اور انکل خان رحمان کے بارے میں بتایا... اس طرح میں اسے ان کے پاس لے گئی۔ انہوں نے رقم لی اور میرے ساتھ شاہ کی والدہ کے گھر چلے آئے... پھر قرض خواہ آئے... انہوں نے رسید لکھ کر دی اور قرض کی رقم لے کر چلے گئے، لیکن جلد ہی وہ پھر آ گئے... اس وقت تک میں اور انکل وہاں سے آ گئے تھے... دوبارہ آ کر انہوں نے دھمکی دی یہ مکان تو انہیں بہر حال خالی کرنا ہوگا... ہاں اس کے بدلے میں وہ کرائے کا ایک اور مکان انہیں دلوا دیتے ہیں... اس کا کرایہ بھی اس سے کم ہوگا... شاہ کی والدہ ہر قسم کے جھگڑے سے بچنا پسند کرتی ہیں... انہوں نے اعتراض نہ کیا اور نئے مکان میں چلی گئیں... مجھے جب شاہ کے ذریعے یہ بات معلوم ہوئی تو بہت زیادہ حیرت ہوئی، کیونکہ قرض کی رقم تو انہیں مل چکی تھی... اب

اس مکان کی انہیں کیا ضرورت تھی... اور کیوں انہوں نے زبردستی وہ خالی کرایا... اور اس کی جگہ انہیں کرائے کا ایک اور مکان بھی دلوایا... یہ بات کیا ہوئی بھلا... بس اس حیرت کی وجہ سے ہم اس معاملے میں پڑے... میں نے شاہ کی والدہ سے اس ادارے کا نام اور ان کے مالک مکان کا نام پوچھا... قرض دینے والے ادارے کا نام راقب کارپوریشن موں کالونی معلوم ہوا... اور مکان کے مالک کا نام صابر کیرا... اس کے بارے میں پتا چلا تھا کہ وہ یہی کاروبار کرتا ہے... اس نے شہر میں بہت سے مکانات خرید رکھے ہیں... اور اس کے ملازم وہ کرائے پر دیتے ہیں... اخبارات میں اشتہارات بھی ان کی طرف سے دیے جاتے ہیں۔ اس طرح ہم پہلے راقب کارپوریشن میک اپ میں گئے... انکل خان رحمان ہمارے ساتھ ایک بوڑھے کے روپ میں گئے... ہم وہاں قرض لینے کے بہانے پہنچے تھے... یہ ادارہ قرض دینے کے لیے اتنی شہرت رکھتا ہے کہ ٹیکسی ڈرائیوروں تک کو پتا ہے... جب ہم نے ڈرائیور سے کہا کہ ہمیں موں کالونی شان پلازہ جانا ہے تو وہ خود ہی بول پڑا تھا، راقب کارپوریشن جانا ہے کیا... خیر ہمیں وہاں سے قرض مل گیا... اور اس معاملے میں صرف یہ الجھن محسوس ہوئی کہ آخر یہ کارپوریشن مکان کیوں خالی کراتی ہے... خیر اس کے بعد آپ نے مشورہ دیا کہ ہم پہلے

مکان کے مالک سے مل لیں... وہ کیا کہتا ہے... اس طرح ہم ریواز
ٹاؤن پہنچے، مکان کے مالک صابر کیرا کی کوٹھی وہاں ہے۔ ہم نے کوٹھی
کے دروازے کی گھنٹی بجائی تو ملازم نے اندر سے صرف سر باہر نکال کر
پوچھا، کیا چاہتے ہو، ہم نے اسے بتایا، صابر کیرا سے ملنا ہے، اس
نے پوچھا، کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہو، ہم نے کہا، کرائے کے
ایک مکان کے سلسلے میں... اس نے بتایا کہ اس سلسلے میں ان سے نہیں
ان کے ملازم سے ملو... ایسے کام وہ کرتے ہیں... اس ملازم کی آواز
مجھے جانی پہچانی سی لگی، لہٰذا میں نے اس سے پوچھ لیا کہ اس کا نام کیا
ہے... پہلے تو وہ جھجکا... پھر جب میں نے کہا کہ ایسے ہی پوچھ لیا،
نام بتانے میں کیا حرج ہے تو اس نے بتایا کہ اس کا نام عزیز احمد ہے
... لیکن میرے ذہن میں اس کا نام عزیز احمد نہیں ندیم زواری تھا، لہٰذا
میرے منہ سے نکل گیا... جھوٹ تو نہ بولو... تمہارا نام عزیز احمد نہیں
ہے... اس پر وہ حیران رہ گیا اور کہنے لگا... تم دلچسپ لڑکے ہو، اندر
آجاؤ... میں تمہارے لیے کلرک کو یہیں بلوا لیتا ہوں... لہٰذا ہم اندر
داخل ہو گئے... وہاں گیٹ کے ساتھ ہی دائیں طرف ایک کمرہ
ہے... وہ ہمیں اس کمرے میں لے آیا اور کسی کو فون کر کے کہنے لگا...
کاٹنے بے وقوف الو یہاں تمہاری ضرورت ہے... یہ کہہ کر اس نے

فون بند کر دیا۔ پھر اس نے پوچھا... اب بتاؤ... مکان کے سلسلے میں
کیا بات ہے... ہم نے اسے معاملہ بتایا اور کہا، آخر صابر کیرا صاحب
کا مکان خالی کرانے والے وہ کون ہوتے ہیں... بس ہم تو یہاں صرف
اس لیے آئے ہیں، اس پر اس نے کہا، تم نے بہت اچھا کیا، صابر کیرا
صاحب ان سے نبٹ لیں گے... اب تم یہ بتاؤ تم نے یہ بات کیسے کہہ
دی کہ میں عزیز احمد نہیں... ندیم زواری ہوں۔ اس پر میں نے اسے
بتایا، ایک سال پہلے ایک جیل سے کچھ قیدی فرار ہوئے تھے... ان میں
سے ایک کی شکل مجھے یاد رہ گئی، اس کا نام ندیم زواری تھا، اس کی شکل
میں اور آپ کی شکل میں کوئی فرق نہیں، اس لیے میں نے کہہ دیا کہ
آپ ندیم زواری ہیں۔ اس وقت کمرے میں چھ آدمی داخل ہوئے۔
ندیم زواری کے اشارے پر انہوں نے پستول نکال لیے، گویا وہ ہمیں
قتل کرنا چاہتے تھے... اس نے ان سے کہا، اس سے پہلے کہ صابر
کیرا ادھر آ نکلیں... انہیں ٹھکانے لگا دو... وہ حملہ کرنے ہی والے تھے
کہ وہاں صابر کیرا آ گئے... ہم نے انہیں بتایا کہ یہ جیل کاٹ کر آئے
ہوئے لوگ ہیں... اس پر ندیم زواری بولا کہ اب تو صابر کیرا کو بھی ختم
کرنا ہوگا... ورنہ ہم مارے جائیں گے... یہ سنتے ہی صابر کیرا نے
پستول نکال لیا... اور لگاتار ان پر فائرنگ کر دی... وہ سات کے سات

مارے گئے... اس کے بعد ہم نے صابر کیرا کو بتایا کہ ہم کس سلسلے میں آئے تھے... ادھر کیرا نے بتایا کہ اس کے ملازم ملازمت چھوڑ گئے تھے... اس نے اخبار میں اشتہار دیا تو یہ لوگ آ گئے... اس نے انہیں ملازم رکھ لیا... اس کے بعد وہاں پولیس آ گئی اور ہم چلے آئے..."

"لیکن کیوں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی... آپ نے کیا فرمایا... لیکن کیوں، کیا مطلب؟"

"تم نے صابر کیرا سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ راقب کارپوریشن والے ان کے مکان پر قبضہ کرنے والے کون ہوتے ہیں۔"

"ہم نے اس سے یہ کہا تھا... انہوں نے کہا تھا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے ادارے کے جنرل منیجر سے بات کریں گے... گھر آ کر ہم نے آپ کو سارا ماجرا سنایا... اس کے بعد آپ کے مشورے سے ہم راقب کارپوریشن گئے... وہاں منیجر سکندر بخت سے ملے، سکندر بخت سے ہم نے اپنا تعارف کرایا تھا... اس کے بعد ہم نے اس سے ان لوگوں کے نام پتے لیے جو مکان خالی کرانے کے لیے آئے تھے۔ موبائل نمبر لیے... ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی لیکن ان کے موبائل آف تھے... ان چاروں کے گھروں پر بھی تالے لگے نظر آئے... پھر ہم شاہ والے گھر گئے... تاکہ وہاں سے ٹھیرایا گیا ہے، اس سے

پوچھیں... وہاں بھی تالا نظر آیا... حالات حد درجے پراسرار ہوتے چلے جا رہے تھے... آخر ہم نے جیل کا رخ کیا تاکہ جو لوگ صابر کیرا کے گھر مارے گئے تھے، ان کے بارے میں معلوم کیا جائے۔ وہاں سے ان کی اس رہائش کا پتا چلا، جس میں وہ جیل جانے سے پہلے رہتے تھے... ہم وہاں پہنچے... گھر پولیس نے سیل کیا ہوا تھا... سیل توڑ کر تالا کھولا اور ہم اندر داخل ہوئے تو یہ نتیجہ نکلا کہ وہاں چھت کے راستے رسی باندھ کر کوئی نیچے اترا تھا اور سارے گھر سے ہر قسم کے ثبوت مٹا گیا تھا۔ اب سسپنس اور بڑھ گیا... سوال یہ پیدا ہوا کہ وہ چھت پر کیسے پہنچا... ساتھ والے گھر کی چھت دیکھ کر اندازہ ہوا وہ اس چھت کے راستے آیا تھا... گھر کے مالک سے رابطہ کیا تو اس نے بتایا کہ گھر میں چند نقاب پوش داخل ہوئے تھے... ان میں سے دو چھت پر گئے تھے... دو نیچے رہے تھے... اور اس پر پستول تانے رہے تھے۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ ان میں سے ایک کے کان کی لو پر زخم کا دائرے نما نشان تھا... اب یہ ایک اہم بات معلوم ہوئی تھی... کان کی لو پر زخم کے دائرے نما نشان والے کی شناخت کھارا ڈونی کے نام سے ہوئی... اس کی تلاش میں انکل اکرام کی مدد سے ہوٹل نمارا پہنچے... پھر جو کچھ ہوا آپ کو اچھی طرح معلوم ہی ہے..." یہاں تک کہہ کر محمود خاموش ہو گیا۔

"اس کیس میں سب سے زیادہ اہم بات مکانوں پر قبضے کی ہے... چاہے وہ کرائے کا کیوں نہ ہو... اور اگر مکان پسند آجائے تو قرض لوٹا دیے جانے کے باوجود بھی مکان حاصل کرنے کی کوشش... جیسا کے ثناء کی والدہ کے ساتھ ہوا..."

"یعنی راغب کارپوریشن کا مالک یا اس کے عملے کے ارکان میں سے کوئی تو ہے جو اس طرح مکانات ہتھیانے میں ملوث ہے... صابر کیرا اس چکر میں شامل ہے یا نہیں... لیکن ایک بات واضح ہے کہ راغب کارپوریشن کو اس معاملے میں استعمال کیا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید کا چہرہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"اب تک ہمارے سامنے کرائے کے مکان پر قبضے کا صرف ایک ہی کیس سامنے آیا ہے... اور وہاں بھی کرائے دار یعنی ثناء کی والدہ نے بغیر حیل و حجت مکان خالی کر دیا... صرف اس ایک مثال کی بنیاد پر ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ راغب کارپوریشن اس معاملے میں بڑے پیمانے پر ملوث ہے... ممکن ہے کہ ثناء کی والدہ کے مکان کا معاملہ راغب کارپوریشن کے چند ملازمین کا اپنا کام ہو۔"

"پھر تو ہمیں پہلے ایسے اور کیسوں کا پتا لگانا ہوگا جہاں کرائے کے مکانوں پر قرض کی عدم ادائیگی کے سبب قبضہ کیا گیا ہو... لیکن سوال

یہ ہے کہ یہ کام ہوگا کیسے؟"

"اخبار میں اشتہار شائع کروانا ہوگا... اس طرح کم از کم ایسے کچھ اور لوگ تو سامنے آئیں گے جن کے مکان چھینے گئے ہیں۔"

اور پھر دو روز کے بعد اخبارات میں ایک اشتہار سامنے آیا۔

"ایسے تمام لوگ ہم سے رابطہ کریں جن کو ان کے گھروں سے، چاہے کرائے کے ہوں یا ذاتی، قرض کی عدم ادائیگی پر بیدخل کروا دیا گیا ہو....شاید ہم ان کی کوئی مدد کرسکیں۔"

اشتہار کے نیچے رابطے کیلئے محمود کا موبائل فون نمبر دیا گیا تھا۔ اور پھر فون آنے شروع ہوئے... ان میں بے انتہا مجبور اور بے بس لوگوں کے علاوہ عادی قرض چور سب ہی شامل تھے... سات روز تک یہ سلسلہ جاری رہا... اس دوران کئی لوگوں سے انہیں ملنا بھی پڑا... کئی مکانات کا سروے کیا گیا... عدالتی ریکارڈ بھی کھنگالا گیا... کافی بھاگ دوڑ رہی... یہ سب کچھ انہیں اسکول اور ہوم ورک کے ساتھ کرنا پڑ رہا تھا... انسپکٹر جمشید اور بیگم جمشید ان کی تعلیم کے معاملے میں کوئی سمجھوتہ نہیں کرتے تھے... ان کے والد کی ہدایت تھی کہ جاسوسی کا شوق پڑھائی کے آڑے نہیں آنا چاہیے... اور تینوں بچے بھی جو کچھ بھی کرتے پھریں،

اسکول کا کام ہمیشہ مکمل رکھتے تھے اور اسی لئے اپنی اپنی کلاسوں کے
بہترین اسٹوڈنٹس میں شمار ہوتے تھے۔

اور پھر محمود، فاروق اور فرزانہ نے نہایت احتیاط کے ساتھ
اُن میں مکانات کی ایک فہرست تیار کرلی ...یہ فہرست اور دیگر دستاویزات
کا پلندہ لے کر وہ انسپکٹر جمشید کے پاس آئے ... رات کا وقت تھا اور
ان کے والد اس وقت سونے کیلئے لیٹ چکے تھے... انسپکٹر جمشید کی عادت
تھی کہ رات کو سونے سے پہلے مطالعہ ضرور کرتے تھے ... تاریخ ان کا
پسندیدہ ترین موضوع تھا اور اس حوالے سے ان کے ذاتی کتب خانے
میں دس ہزار سے زائد کتابیں تھیں ... اس وقت بھی وہ بستر پر نیم دراز
مطالعے میں مصروف تھے ... ان تینوں کو دیکھ کر مسکرائے اور کتاب پلٹ
کر سینے پر رکھ لی:

''ہوں! تو کہاں تک پہنچی تم لوگوں کی تفتیش ...لگتا ہے کوئی بڑا
معرکہ سر کر آئے ہو۔''

''جی ابا جان! دراصل ہم نے ایسے مکانات کی ایک فہرست
مرتب کی ہے جن پر قرض واپس نہ کرنے کے بدلے میں قبضہ کرلیا
گیا تھا۔''

''تو پھر... کیا نتیجہ سامنے آیا۔''

''ابھی تک تو ایسا کچھ فیصلہ کن نہیں ...لیکن ایسے چند اور کیس
سامنے آئے ہیں جہاں کرائے کے مکان سے مقروض کرائے داروں کو
نکال کر مکان پر قبضہ جما لیا گیا... بیچارہ اصل مالک مکان چیختا ہی رہ گیا
...وہ خود اپنا حق لینے کیلئے عدالت کیا جاتا ..اس سے پہلے ہی قبضہ کرنے
والوں نے مکان پر قبضہ جما کر الٹا عدالت میں مکان کی ملکیت کا دعویٰ
داغ دیا...''

''اوہ ... اوہ!'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

''جی ہاں ابا جان! ... اور یہی نہیں بلکہ ایک عجیب سی بات یہ
سامنے آئی ہے کہ زیادہ تر مکانات جن سے کرائے داروں کو بے دخل
کر کے قرض خواہوں نے مالک مکان پر مقدمہ کردیا ... وہ ایک پراپرٹی
مینجمنٹ ایجنسی ''میٹل پالرز'' کے ذریعے کرائے پر دیئے گئے تھے ...''

''کیا مطلب!''

''مطلب یہ کہ جیسے اسٹیٹ ایجنسیاں مکان کرائے پر دیتی
ہیں...''

''کیا کسی مکان کے مالک سے ملاقات ہوئی؟''

''یہ ایک اور عجیب بات ہے...''

''اب کیا ہے؟''

''پوری کوشش کے باوجود ہماری ملاقات کسی بھی مکان کے اصل مالک سے نہیں ہو سکی۔''

''کیوں ... کیا انہیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا...''

''ہم نے بہت کوشش کی... لیکن ان میں سے کوئی بھی مکانوں کے کاغذات میں درج اپنے پتوں پر نہیں ملا...''

''یہ تو بہت حیرت انگیز بات ہے... لیکن پھر عدالتوں میں دائر مقدمات میں ان کی طرف سے پیروی کون کر رہا ہے...''

''کوئی بھی نہیں... ہم نے انکل اکرام کے ذریعے معلومات حاصل کی تھیں .... اور یہ بات سامنے آئی کہ مقدمات کی عدالتوں میں پہلی پیشی کے بعد اصلی مالکان کی طرف سے پیروی نہیں کی گئی...''

''کیا!'' وہ اچھل پڑے۔

''ہمارا بھی یہی خیال ہے ابا جان کہ یہ کوئی سیدھا سادہ کیس نہیں ہے ...اس میں بے تحاشہ الجھاؤ ہے...'' محمود سنجیدہ لہجے میں بولا۔

''لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تینوں معاملات یعنی چاند گروہ، راقب کارپوریشن اور مکانات پر قبضوں کی کڑیاں آپس میں کہیں ملتی ضرور ہیں...'' فاروق بولا۔

''ہماری تفتیش کا ہر رخ ہمیں گھوم پھر ان میں سے کسی ایک

سمت لا کھڑا کر رہا ہے۔'' فرزانہ کب پیچھے رہنے والی تھی۔

''آؤ میرے ساتھ...'' وہ تیزی کے ساتھ بستر سے اتر کر کھڑے ہو گئے۔

☆☆☆☆☆

غار کے اندر

"کیا مطلب ابا جان! اسی وقت ... میرا مطلب کہ کیا آپ کسی نتیجے پر پہنچ چکے ہیں اور فوری کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔" فرزانہ نے انسپکٹر جمشید کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا... شاید وہ ان کے تاثرات سے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی تھی... انسپکٹر جمشید کے چہرے پر اس وقت جوش کی کیفیت طاری تھی۔

"تم نے درست اندازہ لگایا فرزانہ! ... ہمیں ابھی اور اسی وقت ایکشن میں آنا ہوگا۔"

"آپ کا مطلب ہے کہ مجرم ہماری نقل و حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے اور وہ رہے سہے ثبوت مٹانے کی کوشش کرے گا..."

"شاید ہمیں دو جگہ کارروائی کرنا پڑے ... اور ممکن ہے ایک ہی جگہ ہمارا کام بن جائے..."

پھر وہ مکمل تیاری کے ساتھ گھر سے روانہ ہوئے... رات کے

گیارہ بج کر کچھ منٹ ہوئے تھے... ایسا لگتا تھا کہ پورے شہر میں صرف انسپکٹر جمشید کا گھرانہ ہی جلدی بستروں میں چلے جانے کا عادی تھا... شہر کی رونقیں عروج پر تھیں ... دہشت گردی اور خودکش حملوں کی پے در پے کارروائیوں کے باوجود شہر کی چکا چوند ماند نہیں پڑی تھی ... سڑکوں پر گاڑیوں کا اژدہام تھا... اسی شور شرابے سے گزرتے انسپکٹر جمشید کی بلٹ پروف جیپ شہر سے باہر جانے والے راستے پر گامزن تھی... ایک زمانے میں یہ علاقہ اندھیرے میں ڈوبا رہتا تھا... حکومت کو تو آج بھی اس ہائی وے پر بجلی کے کھمبے لگانے کی توفیق نہیں ہوئی تھی... لیکن شہر کی سبزی منڈی اس طرف منتقل کئے جانے کے بعد سے یہاں کا اندھیرا مٹ چکا تھا ... اب سڑک کے دونوں طرف ریسٹورنٹ وغیرہ بن چکے تھے ... ریسٹورنٹ کیا تھے ... ٹرک ڈرائیوروں کے قیام کیلئے چھوٹے موٹے ڈھابے تھے... جب انہوں نے شہر والوں کے منہ سے اپنے ڈھابوں کیلئے ریسٹورنٹ کا لفظ سنا تو راتوں رات اپنے ناموں کے بورڈ میں ریسٹورنٹ کا دم چھلا لگا لیا...

انسپکٹر جمشید نے جیپ اسی سڑک پر ایک گھنٹے تک دوڑانے کے بعد بائیں طرف کچے میں اتار لی... یہاں گھپ اندھیرا تھا... اب انہوں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی... سب سے پہلے محمود چونکا:

"ارے! یہ تو وہی جگہ ہے۔"

"گزرے تھے ہم جہاں سے۔" فاروق گنگنایا۔

"نہیں! بلکہ لڑے تھے ہم جہاں پہ۔" فرزانہ ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے بڑبڑائی۔

"تو کیا... تو کیا... تو کیا...." فاروق کی سوئی اٹک گئی۔

"تو کیا تو کیا کی گردان کرنے کا ارادہ ہے۔"

"نہیں وہ تو چھ دفعہ دہرانے سے ہوتی ہے..." فاروق مسکرایا۔

"لیکن تم کہنا کیا چاہ رہے تھے۔" محمود نے پوچھا۔

"صرف اتنا کہ تو کیا ہم چاند گروہ کے مرکز کی طرف جا رہے ہیں۔"

"ٹھیک سمجھے فاروق۔" انسپکٹر جمشید نے سامنے اندھیرے میں گھورتے ہوئے کہا... جیپ کی ہیڈ لائٹس وہ پہلے ہی بند کر چکے تھے... اور اس گھپ اندھیرے میں اونچے نیچے راستوں پر ڈرائیو کرنا صرف ان جیسا ہی کوئی ماہر ترین کر سکتا تھا۔

"لیکن کیوں .... اگر ایسا کوئی مرکز تھا تو اس دن ہم نے کیوں ڈھونڈنے کی کوشش نہیں کی جب ہمارا ان سے معرکہ ہوا تھا۔"

"اس دن ہم نے اس کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی.. لیکن ابھی جب تم نے کہا کہ ہماری تفتیش کا ہر پہلو ہمیں ان معاملات کے آپس کے تعلق کی طرف اشارہ کر رہا ہے تو مجھے اس گروہ کی سرگرمیوں کے مرکز کو تلاش کرنے کی اہمیت کا احساس ہوا ... اور اس طرف آنے کا مقصد بھی رہا کہ مرکز کے اس مقام پر ہونے کا امکان سب سے زیادہ ہے۔"

"لیکن ہم اسے تلاش کیسے کریں گے .... ہم... میرا مطلب ہے کہ اتنے بڑے علاقے میں ہم چار لوگ .... اس طرح تو کئی دن لگ جائیں گے ... اور صبح اسکول بھی تو جانا ہے۔" فاروق مسکین سی صورت بنا کر بولا۔

"ہم نہیں ڈھونڈیں گے..." انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

"جی کیا مطلب! پھر کون ڈھونڈے گا۔"

"لیجئے لوجی!" یہ کہتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے سیٹ کے پیچھے سے ایک لمبا سا ٹیلی اسکوپ نما آلہ نکالا... انہوں نے دیکھا کہ اس کے سامنے کے حصے پر ایک لیزر پوائنٹر جیسا ننھا سا بلب لگا تھا... جبکہ دائیں طرف تین باریک سے گول بٹن لگے ہوئے تھے ... بائیں طرف ایک LCD اسکرین پر کچھ ہندسے چمک رہے تھے:

"یہ کیا ہے ابا جان۔" فرزانہ نے حیران ہو کر پوچھا۔

"یہ ایک لمبی رینج کا جنگل ڈیٹکٹر ہے... یعنی ایک سے تین کلو میٹر کے دائرے میں موجود دھات یا دھاتی اشیاء کی موجودگی کا پتا دیتا ہے... اضافی خوبی اس میں یہ ہے کہ زندہ اجسام کی موجودگی بھی ظاہر کرتا ہے... یعنی دوران خون سے پیدا ہونے والی معمولی سی گرمی اور جسم میں موجود بارہ وولٹ بجلی کے کرنٹ کو شناخت کر کے یہ بتا دیتا ہے کہ اس بیابان جگہ کس طرف اور کتنے فاصلے پر نقل و حرکت کے آثار ہیں۔"

"واہ! کیا زبردست ایجاد ہے... یعنی اس آلے کے ذریعے جہاں زندہ اجسام اور دھاتی موجودگی ایک ساتھ ظاہر ہو... وہاں انسانی موجودگی یا پھر انسانی تعمیر کا وجود یقینی ہوگا۔"

اس دوران انسپکٹر جمشید ڈیٹکٹر کا رخ آسمان کی طرف کر کے تین میں سے دو بٹن ایک ایک کر کے دبا چکے تھے... ڈیٹکٹر میں سے سرخ اور نیلے رنگ کی روشنی باریک سی لکیریں اوپر اٹھ کر بادلوں سے ٹکرا رہی تھیں... بادل نہ ہوتے تو روشنی کی یہ جڑواں لکیریں رات کے آسمان کے تاریک اندھیروں میں گم ہو جاتیں... پھر انہوں نے تیسرا بٹن بھی دبا دیا... اور LCD کے ہندسوں میں حرکت شروع ہو گئی...

"یہ ہندسے کس طرف اشارہ کر رہے ہیں؟"

"یہ ہندسے دراصل coordinates ظاہر کر رہے ہیں... یعنی یہ براہ راست اس سمت اشارہ کریں گے جہاں ممکنہ طور پر ہمارا ٹارگٹ ہوگا... اس وقت یہ سمت تلاش کر رہے ہیں... جب یہ حرکت بند کر دیں گے اور فلاں ڈگری جنوب مشرق یا جو بھی یہ دکھائیں گے ہمیں اسی سمت میں آگے جانا ہوگا..."

"اور اگر ان اطراف میں کچھ نہ ملا تو؟..."

"تو یہ ہندسوں کی جگہ صفر صفر دکھائیں گے..."

"اوہ!"

اسی وقت ہندسوں کی جگہ صفر نمودار ہو گئے:

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا..." محمود نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"کوئی بات نہیں... اب ہمیں تین کلومیٹر آگے جا کر دیکھنا ہوگا۔"

"آگے کیوں؟... ہم دائیں یا بائیں بھی تو جا سکتے ہیں۔"

"ہاں! کیوں نہیں... لیکن زیادہ امکان اسی کا ہے کہ سڑک سے مزید ہٹ کر گروہ نے مرکز بنایا ہوگا... اور پھر اس طرف چٹانیں اور غار بھی زیادہ ہے جسے عام قسم کے جرائم پیشہ بھی اپنی کمین گاہوں کے طور پر استعمال کرتے رہتے ہیں۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ ابھی انہیں اس چٹانی علاقے کے مزید جھٹکے برداشت کرنے تھے... جیپ کی رفتار ان اونچے نیچے پرخطر راستے پر اتنی کم رہی تھی کہ مزید تین کلومیٹر کا یہ فاصلہ طے کرنے میں ایک گھنٹہ اور لگ گیا... یہاں انسپکٹر جمشید نے پھر لیزر روشن کی... لیکن اس دفعہ بھی ناکامی نے ان کا منہ چڑا دیا... پھر تینوں کے لٹکے ہوئے منہ دیکھ کر ہنس پڑے:

''کیوں کیا ہوا بھئی... اب اتنی مسی صورتیں بنانے کی بھی ضرورت نہیں ہے... اس طرح تو ہوتا ہے اس طرح کے کاموں میں...''

''کیا آگے کا راستہ پیدل طے نہیں کر سکتے...'' فاروق کمر پر ہاتھ رکھ کر کراہتے ہوئے بولا۔

''چل تو سکتے ہیں... لیکن اس کا بھی امکان ہے کہ واپسی میں ہم تلاش ہی نہ کر پائیں کہ جیپ کہاں کھڑی کی تھی...''

ایک بار پھر ان کا سفر شروع ہو گیا... اچانک انسپکٹر جمشید نے جیپ روک لی... ہیڈ لائٹس اور انجن بند کر کے جیپ سے اتر آئے... پھر فرزانہ کو اشارہ کیا کہ اپنے کانوں کو استعمال میں لاؤ... ساتھ ہی محمود اور فاروق کو اشارہ کیا کہ جیپ سے کود کر دائیں بائیں پوزیشن لے لیں...

''اس طرف ابا جان!'' فرزانہ نے انگلی اٹھا کر بتایا۔

''کیا ہے اس طرف...'' فاروق نے پوچھا۔

''گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز...''

''کیا... تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا...'' فاروق کی سرگوشی اس کے کانوں تک پہنچی۔

''مجھے تو لگتا ہے اس کے کانوں کا دماغ چل گیا ہے۔''

محمود کی آواز میں ہنسی بھی شامل تھی۔

''جو خود کسی کام کے نہیں ہوتے ... وہ اپنے ہی اپنی جیب...'' فرزانہ کا جملہ درمیان میں ہی رہ گیا... انسپکٹر جمشید نے ایک پتھر اٹھایا اور جس طرف فرزانہ نے اشارہ کیا تھا... اس طرف پھینک مارا... جیسے ہی پتھر کے زمین سے ٹکرانے کی آواز فضا میں گونجی ... ایسا لگا جیسے کوئی کسی اونچی جگہ سے کودا ہو اور پھر دوڑ پڑا ہو ... ادھر انسپکٹر جمشید نے زمین پر لیٹ کر آواز کی طرف رینگنا شروع کر دیا... دیکھنے کا تو صرف انداز تھا... جبکہ ان کی رفتار ایک دوڑتے ہوئے آدمی کی رفتار سے کم نہیں تھی... دیکھتے ہی دیکھتے وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے... ان تینوں نے بھی اسی طرح لیٹ کر رینگنے کی کوشش کی تھی لیکن انسپکٹر جمشید نے انہیں اپنے پیچھے آنے سے روک دیا تھا... جبل ڈاکٹر بدستور ان کے

ہاتھ میں تھا۔

☆☆☆

انسپکٹر جمشید دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز کا تعاقب کرتے ایک غار کے دہانے تک آپہنچے تھے ...بظاہر یہ ایک تنگ سی دراز تھی جس پر باہر سے کسی کو غار کا گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا ... اندر داخل ہونے سے پہلے انہوں نے اپنی جیکٹ کی اندرونی جیب سے نائٹ وژن گاگلز نکال کر پہنے اور اطراف کی چٹانوں کا جائزہ لیا ...ان کی مدد سے رات میں بھی دن کی طرح دیکھا جاسکتا تھا ... بس یہ تھا کہ سارا منظر سبز نظر آتا تھا ... پھر وہ غار کے اندر داخل ہوئے ...یہاں بھی گھپ اندھیرے کا راج تھا ... انہوں نے صاف محسوس کیا تھا کہ قدموں کی آواز یہاں پہنچ کر غائب ہوگئی تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ آدمی اس غار کے اندر داخل ہوا تھا ... اس وقت اندر جانا خطرے سے خالی نہ تھا کہ عین ممکن تھا کہ وہ اندر پوزیشن لئے بیٹھا ہو اور ان پر فائر کھول دے ...لیکن کچھ تو کرنا ہی تھا ... ان کی توقع کے برعکس اندر کوئی نظر نہ آیا ... نائٹ وژن گاگلز ابھی تک ان کی آنکھوں پر چڑھے ہوئے تھے ... وہ آگے بڑھتے گئے اور انہیں اندازہ ہوا کہ غار کافی طویل تھا اور اس کی چوڑائی کسی مقام پر بھی چودہ فٹ سے کم نہ تھی ... اور پھر ایک طویل القامت

سایہ ان کی طرف لپکا۔ کم از کم اس آسیب زدہ سے ماحول میں انہیں یہی محسوس ہوا...اب اگر وہ چشم زدن میں پینترا بدل کر دائیں جانب چھلانگ نہ لگا دیتے تو خود بھی اس ابھرے ہوئے نوکیلے پتھر سے جا ٹکراتے جس سے ٹکرا کر ان پر حملہ کرنے والا شخص اپنا چہرہ بری طرح لہولہان کر بیٹھا تھا... خون کی ایک لکیر اس کی ناک سے نکل کر پتھر پر بیل بوٹے بنا چکی تھی ... لیکن وہ بھی کم چھلاوہ نہیں تھا... اس سے پہلے کہ انسپکٹر جمشید اس کو دبوچ پاتے .... اس نے لیٹے ہی لیٹے چیتے کی طرح جست لگائی اور غار کے دہانے سے باہر جا پڑا ... لیکن وہ انسپکٹر جمشید ہی کیا جو اسے قابو نہ کر پاتے ... پھر ان کی کلائی کی ہڈی کی ضرب سے تو بڑے بڑے پناہ مانگتے تھے ...یہ بیچارہ کہاں ٹھہر پاتا ...پھر کنپٹیوں پر پڑنے والی دو مزید ضربیں اس کی طویل بے ہوشی کی ضامن ثابت ہوگئیں ... اس کا انتظام کرکے وہ پلٹے اور ایک بار پھر غار کے اندر داخل ہوگئے ... وہ آگے ہی آگے بڑھتے گئے ... نائٹ وژن گاگلز نے جلد ہی ان کی رہنمائی ایک ایسے ذیلی راستے کی طرف کردی جس سے ہوتے ہوئے وہ ایک چھوٹے کمرے میں آپہنچے ... ایک جدید دفتر میں جو کچھ ہونے چاہئیں وہ سارے لوازمات یہاں موجود تھے .... ان میں بہت سی فائلیں بھی تھیں ... سی ڈیز، ہارڈ ڈسک اور کئی اخباروں کے تراشے... وہ

کچھ دیر فائلوں کو الٹ پلٹ کر پڑھتے رہے اور پھر ایک بھرپور مسکراہٹ ان کے چہرے پر پھیل گئی۔

☆☆☆

تینوں کافی دیر تک پتھریلی زمین پر لیٹے ہونقوں کی طرح اندھیرے کو گھورتے رہے... پھر اسی انداز سے ان کے والد کی واپسی ہوئی یعنی جس طرح پیٹ کے بل لیٹ کر وہ گئے تھے اسی طرح واپس بھی آئے... انہوں نے دیکھا... ان کی جیکٹ جا بجا پھٹ چکی تھی... جوتے اور ہتھیلیاں مٹی میں اٹ چکی تھیں... ان کے دونوں ہاتھوں میں چند فائلیں اور جیکٹ کی جیبوں میں کچھ رول کیے ہوئے کاغذ بھی نظر آ رہے تھے... جس چیز نے انہیں چونکایا وہ ان کی کمر پر لدا ہوا جسم تھا... انسپکٹر جمشید انہیں دیکھ کر مسکرائے:

"بہت اہم ثبوت ہاتھ لگے ہیں... بس یوں سمجھو... اصل مجرم میری جیب میں پڑا ہے۔"

"ہائیں! لیکن وہ تو آپ کی کمر پر پڑا ہے۔"

"یہ تو ابھی کہا نہیں جا سکتا کہ اصل مجرم یہ ہے یا کوئی اور... لیکن بہت اہم کاغذات ہاتھ لگے ہیں... اس کے علاوہ یہ ہارڈ ڈسک بھی ہے... ایک ہزار گیگا بائٹس کا ڈیٹا ہے اس میں... یعنی ایک ہیرا

بات..."

"اور یہ فائلیں کیسی ہیں ابا جان؟"

"کیا سب کچھ اسی وقت پوچھ لو گے..." پھر وہ محمود کی طرف پلٹے: "محمود! ذرا اکرام کو فون کرو... اس سے کہو کہ فورنسک لیب والوں کو لے کر یہاں آئے... جی پی ایس کی مدد سے یہاں کا پتا لگا لے..."

تمام کارروائیوں سے فارغ ہو کر پھر جب وہ گھر پہنچے تو خبر کی آوازیں ہو رہی تھیں:

☆☆☆☆☆

پانی کا گلاس

دوسری دوپہر وہ اسکول سے گھر آئے تو ان کی توقع کے مطابق انسپکٹر جمشید گھر پر ان کے منتظر تھے:

"کیس سے متعلق ہر شخص غائب ہے ... اور صرف ایک شخص ایسا ہے جو غائب نہیں ہے ..."

"جی ... کیا مطلب ... وہ کون ہے۔"

انسپکٹر جمشید نے انہیں بتایا کہ ان کا اشارہ کس کی طرف ہے:

"لیکن اس کا تو اس سارے معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ..."

"تعلق ہے اور انتہائی سامنے کا تعلق ہے۔" وہ بھرپور انداز میں مسکرائے۔

ان کے مسکرانے کے انداز سے تینوں سمجھ گئے کہ اب ان سے اس وقت اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں کیا جاسکے گا۔ یہ ان کا

مخصوص انداز اور لہجہ تھا... اور اس کا مطلب یہ تھا کہ کہ وہ معاملے کی جڑ تک پہنچ چکے ہیں۔

"لہٰذا ہم اس کے گھر کی طرف چل رہے ہیں... ہم... مگر نہیں... ابھی کچھ کام باقی ہے ... ہم رات کے وقت چلیں گے۔"

"لیکن ابا جان ... ہوسکتا ہے اس شخص کا اس معاملے سے قطعاً کوئی تعلق نہ ہو ... اور نظر بھی یہی آتا ہے۔" فاروق نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

"اس کی ایک حرکت مجھے چونکا رہی ہے ... لہٰذا ہم آج رات یہ کام کریں گے۔"

پھر وہ سب انسپکٹر اکرام کو کوڈ ورڈز میں ہدایات دینے لگے

O

رات تاریک تھی... اور کچھ سائے ایک کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش شروع کر چکے تھے ... جلد ہی وہ اندر پہنچ گئے ... ان سب نے سیاہ لباس پہن رکھے تھے تاکہ تاریکی میں مزید چھپ جائیں ... پوری کوٹھی میں صرف ایک کمرے میں روشنی نظر آرہی تھی ... باقی کمروں کی لائٹیں بجھی ہوئی تھیں... ان کے قدم اس کمرے کی طرف بڑھ گئے، پھر فرزانہ نے کان دروازے پر لگا دیے ... جلد ہی اس کے چہرے پر

حیرت نظر آنے لگی... ان پر جوش طاری ہو گیا ۔انہوں نے بھی کان دروازے پر لگا دیے ... اندر کوئی کہہ رہا تھا:

"خبردار! ان ہدایات پر سختی سے عمل کیا جائے ... ورنہ ہم تینوں میں سے کوئی نہیں بچے گا... اس وقت ہم گویا سب محفوظ ہیں... لیکن ہماری ذرا سی غلطی ہمارے سارے کیے کرائے پر پانی پھیر دے گی... سنا تم نے سکندر بخت۔"

سکندر بخت کا نام سنتے ہی وہ ساکت رہ گئے... سکندر بخت راقب کارپوریشن کے جنرل منیجر کا نام تھا... گویا اس وقت چاند گروپ کے اصل باس کی آواز سن رہے تھے... یعنی یہ بات اب صاف ہو چکی تھی کہ چاند گینگ اور راقب کارپوریشن کے معاملات کے پیچھے ایک ہی ذہن کار فرما تھا۔ انسپکٹر جمشید نے انہیں اشارہ کیا ... دبے پاؤں واپس چلے چلو۔

وہ باہر نکل آئے... وہ حیران تھے کہ باہر نکل آنے کی کیا ضرورت تھی ... اسی وقت اسے کیوں نہ چھاپ لیا گیا ... ان کی بات سن کر وہ مسکرا دیے ... شاید ابھی وہ کیس پر کچھ کام کرنا چاہتے تھے۔

ایک ہفتے کی دوڑ دھوپ کے بعد ایک صبح محکمہ سراغرسانی کے میٹنگ روم میں انسپکٹر جمشید، محمود، فاروق، فرزانہ ، آئی جی اور ڈی آئی

جی صاحب کے علاوہ ، محکمہ لینڈ ریونیو یعنی وہ محکمہ جو جائیدادوں کا حساب کتاب رکھتا ہے، کے افسران اعلیٰ بھی جمع تھے ... یہ سب لوگ ایک لمبی سی کانفرنس ٹیبل کے گرد بیٹھے تھے ... سب کے سامنے پانی کے گلاس اور بوتلیں رکھی تھیں ... ہال کا فرش ماربل ٹائلز کا تھا اور شاید اس پر پالش بھی نئی نئی ہوئی تھی ... جب ہی تو وہ کچھ اس طرح چمک رہا تھا جیسے اس پر پانی پھیلا دیا گیا ہو ... کچھ دیر بعد اکرام کی ٹیم کے لوگ ایک شخص کے چہرے پر کپڑا ڈال کر اندر لائے ... انسپکٹر جمشید کے اشارے پر کپڑا ہٹایا گیا تو انہوں نے دیکھا ... یہ تھا سکندر بخت ... اس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار تھے ... محمود، فاروق، فرزانہ پر نظر پڑتے ہی وہ چونک اٹھا... اسی طرح دو آدمی اور لائے گئے ... پھر اکرام، صابر کیرا کے ساتھ اندر داخل ہوا ... وہی صابر کیرا جس نے محمود، فاروق، فرزانہ کی بدیم زواری اور اس کے ساتھیوں سے جان بچائی تھی ...وہ انہیں دیکھ کر خوش دلی سے مسکرایا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا... اس کے ساتھ ہی انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے اٹھے اور پریذنٹیشن بورڈ کے پاس جا کھڑے ہوئے ... ایک اچٹتی ہوئی نظر انہوں نے کمرے میں بیٹھے ہوئے لوگوں پر ڈالی اور پھر ان کے ہونٹ ہلے:

" گذشتہ دنوں ہم دو معاملات میں ایک وقت الجھے رہے

...ان میں سے ایک تو چاند گینگ کے دوبارہ سر اٹھانے کا معاملہ تھا ...
اور دوسرا راقب کارپوریشن کے کچھ ملازمین کی جانب سے مالکان
کے ذاتی اور کرائے کے مکانوں کو تحویل میں لینے کا معاملہ تھا ..... عجب
اتفاق رہا کہ چاند گینگ کی جانب سے آئی جی صاحب کو چیلنج کیا گیا کہ
ہم اپنی کارروائیاں دوبارہ شروع کرنے آ رہے ہیں لہذا روک سکتے ہیں
تو روک لیں ... دوسری طرف جب ہم نے مکانوں پر قبضے کے کیس پر
کام شروع کیا تو ہم نے دیکھا کہ اس کیس کے تانے بانے بھی چاند
گینگ سے الجھے ہوئے ہیں ... بظاہر راقب کارپوریشن کے معاملات میں
کوئی ہیر پھیر نہ تھا ... ان کے منیجر سکندر بخت نے ہم سے بھرپور تعاون
کیا اور ہمیں اپنے ان ملازمین کے پتے فراہم کر دیے جو فرزانہ کی سہیلی
کی والدہ کے کرائے کا مکان خالی کرانے کے ذمے دار تھے ... لیکن
بہت کوشش کے باوجود بھی ہم ان کو تلاش نہ کر سکے ... پھر محمود، فاروق،
فرزانہ اس مکان کے اصل مالک یعنی صابر کیرا صاحب کے گھر
پہنچے...وہاں ایک نہایت حیرت انگیز بات سامنے آئی کہ صابر کیرا کے
ملازمین مفرور مجرم ہیں...راز کھلنے کے ڈر سے انہوں نے ان تینوں پر
قاتلانہ حملہ کیا لیکن صابر کیرا صاحب نے اسی وقت چھ کے چھ ملازمین
کو اپنے پستول سے فائر کر کے ہلاک کر دیا ... کیرا صاحب کی مہارت

حیرت انگیز تھی کیونکہ چھ کے چھ پستول ان پر اٹھے ہوئے تھے ... یہ اور
بات ہے کہ یہ چیز ہمیں چونکا گئی ... کمال کی بات یہ کہ چھ کے چھ کے
دل کے مقام پر گولیاں لگیں اور اسی لئے سب کے سب اسی وقت دم
توڑ گئے ... ان کا بیان ہے کہ یہ نشانے بازی کے کئی مقابلے بھی جیت
چکے ہیں ... اب بظاہر تو یہ مقابلے جیتنے والی بات ان کے حق میں جاتی
ہے ... لیکن وہ ان کے خلاف چلی گئی ...''

''کیا مطلب ؟ کہنا کیا چاہتے ہیں آپ...'' صابر کیرا کو
اچانک غصہ آ گیا اور وہ اچھل کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا ...لیکن
انسپکٹر جمشید کے سکون میں ذرا سا فرق بھی نہ آیا:

''ارے بیٹھ جائیے کیرا صاحب ...ابھی یہ اچھل کود بچا کر
رکھیے ...آگے بھی اس کی ضرورت پیش آئے گی۔''

''بچوں کی جان بچانے کا یہ صلہ دے رہے ہیں آپ ... اس
تو اچھا تھا کہ...''

''اس پر بھی بات کر لیتے ہیں ...لیکن پہلے میں اپنی بات مکمل
کر لوں ... ہاں تو ... صابر کیرا صاحب کا مکانات کرائے پر دینے کا
کاروبار ہے ... ان کا کہنا تھا کہ انھیں اس بات کا علم نہیں ہے ان کی
کرائے دار کی جگہ مکان میں اب کوئی اور رہ رہا ہے ... اور یہ کہ وہ

اس بارے میں اپنے اسٹاف سے بات کریں گے ... ویسے صابر کیرا! آپ نے ان چھ کو پستول گرانے کا حکم کیوں نہیں دیا۔"

"اس سے پہلے وہ فائر ان پر جھونک مارتے۔"

"یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے ان تینوں کی حفاظت کے خیال سے انہیں گولی مار دی ہو ... لیکن جس قسم کے ماہر نشانے باز آپ ہیں ... اس صورت میں تو آپ انہیں اس طرح سے زخمی بھی کر سکتے تھے کہ وہ فائر کرنے کے قابل ہی نہ رہ جاتے ... یا پھر ان میں سے کوئی ایک آدھ ہی مرنے سے بچ جاتا ..."

"آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں انسپکٹر جمشید! کہ ایسے حالات میں جبکہ جان خطرے میں ہو ... ذرا سا بھی چانس نہیں لیا جاتا .... اور میں نے بالکل یہی کیا ..." یہ کہتے ہوئے وہ طنزیہ لہجے میں مسکرایا۔

"ہوں! آپ کی بات میں وزن ہے..." انسپکٹر جمشید سر ہلا کر بولے ... "ویسے آپ نے اپنے اسٹاف سے انکوائری تو کروائی ہوگی کہ آپ کے ایک مکان سے کرائے دار کو نکال کر قبضہ جمانے والے کون تھے..."

"نہیں! مجھے فرصت نہیں ملی کہ میں اس بارے میں تفتیش کروں ... بہت بڑا کاروبار ہے میرا ..." وہ لاپروائی سے سر جھٹک کر

بولا۔

"ہاں! یہ تو حقیقت ہے کہ آپ کا کاروبار بہت بڑا ہے..."

اس بار طنز کرنے کی باری انسپکٹر جمشید کی تھی۔

صابر کیرا کچھ نہ بولا ... لیکن اس کے چہرے پر تناؤ کے آثار نمایاں تھے۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ محمود، فاروق، فرزانہ کی تحقیقات کے دوران ایسے ہی چند مزید کیس سامنے آئے جہاں کرائے کے مکان سے مقروض کرائے داروں کو نکال کر مکان پر قبضہ کر لیا گیا... اصل مالک مکان بے بسی کی تصویر بنا رہ گیا... اس سے پہلے کہ وہ خود اپنا حق لینے کیلئے عدالت جاتا ... قبضہ کرنے والوں نے الٹا عدالت میں مکان کی ملکیت کا دعویٰ داغ دیا... اور یہی نہیں بلکہ ایک عجیب سی بات یہ سامنے آئی ہے کہ زیادہ تر مکانات جن سے کرائے داروں کو نکال کر قرض خواہوں نے مالک مکان پر مقدمہ کر دیا ... وہ ایک پراپرٹی مینجمنٹ ایجنسی "کیپٹل پانرز" کے ذریعے کرائے پر دیے گئے تھے ... ایک اور حیران کن چیز یہ کہ پوری کوشش کے باوجود ان کی ملاقات کسی بھی مکان کے اصل مالک سے نہیں ہو سکی... ان میں سے کوئی بھی مکانوں کے کاغذات میں درج اپنے پتوں پر نہیں ملا... اور تو اور ... یہ بات سامنے آئی کہ

مقدمات کی عدالتوں میں پہلی پیشی کے بعد اصل مالکان کی طرف سے بھی پیروی نہیں کی گئی ... پھر ہم نے نیشنل پاورز نامی کمپنی کے متعلق معلومات حاصل کیں ... اور چونکا دینے والی ایک اور حقیقت ہمارے سامنے آئی ... وہ حقیقت کیا ہے ... یہ بتائیں گے محکمہ لینڈ ریونیو کے افسران جو یہاں تمام ریکارڈ کے ساتھ موجود ہیں ..."

دونوں افسران میں سے ایک نے اپنے سامنے رکھی فائل اٹھائی اور کہنا شروع کیا:

"نیشنل پاورز نامی کمپنی راغب کارپوریشن کے جنرل منیجر سکندر بخت کے کزن بیدار بخت کی ملکیت ہے ... یہ کمپنی ماضی میں بھی جائیدادوں کے فراڈ میں ملوث رہی ہے اور ہماری اطلاعات کے مطابق اس کمپنی کا مالک بیدار بخت ملک سے فرار ہو چکا ہے ... اس کے علاوہ نیشنل پاورز کی جانب سے کرائے پر دیے گئے مکانات میں سے اکثر پر عدالتوں میں پرانے مالکان کے خلاف مقدمے چل رہے ہیں .... لیکن ان مقدمات میں مدعی کوئی ایک شخص یا ادارہ نہیں بلکہ مختلف افراد ہیں ... دلچسپ بات یہ ہے کہ اصل یا پرانے مالکان کی جانب سے عدالت میں پہلی پیشی کے بعد نہ کوئی مدعی پیش ہوا اور نہ وکیل صاحبان... یہی صورت رہی تو ایک دو پیشیوں کے بعد فیصلہ قبضہ کرنے والوں کے حق

میں کر دیا جائے گا۔" یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

اس کی بات مکمل ہونے کے بعد انسپکٹر جمشید نے دوبارہ کہنا شروع کیا:

"یہ ایک نہایت دلچسپ کیس ثابت ہوا ... لیکن بالآخر ہم اس کی اصل جڑوں تک پہنچنے میں اور اس کیس کے الجھے ہوئے تانے بانے کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہو گئے ... اور اب میں آپ کو اس کیس کی کہانی سناتا ہوں ..."

"کیس کی کہانی ..." فاروق کے منہ سے سرگوشی والے لہجے میں نکلا .... فرزانہ اور محمود نے اسے بری طرح گھور کر دیکھا تو وہ گڑبڑا کر بولا:

"کسی ناول کا نام نہیں ہو سکتا ... میں تو بس اتنا ہی کہہ رہا تھا..." اس کے اس طرح بات کا رخ موڑنے پر دونوں مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ دوسری طرف انسپکٹر جمشید کی آواز کمرے میں گونج رہی تھی:

"اس بار کا مجرم پیچ در پیچ سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا ... حقیقتاً نہیں فاروق؟ ... ویسے تو وہ ہمارے سامنے ہی تھا... تو ہوا کچھ یوں کہ ایک رات ہم نے چاند گروہ کی خفیہ کمین گاہ پر چھاپہ مارا .... اسی علاقے کے آس پاس جہاں ہمارا چاند گروہ کے ساتھ خونی معرکہ ہوا تھا

... اور وہاں سے ایک شخص کو ہم نے گرفتار بھی کیا ... اس کے علاوہ کئی اہم ثبوت بھی ہمارے ہاتھ لگے ... اصل تانا بانا تو ہم پہلے ہی سمجھ چکے تھے ... لیکن ان ثبوتوں کے سامنے آنے کے بعد اصل مجرم کے گرد ہم نے بھی اپنا تانا بانا مضبوطی سے بن دیا .... اور اس کی نگرانی سخت کر دی..." ان کے الفاظ درمیان ہی رہ گئے ... اسی وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور جیل سپرنٹنڈنٹ سلمان بختوری اندر داخل ہوئے:

"معاف کیجئے گا ... مجھے کچھ دیر ہو گئی ... دراصل کچھ قیدیوں نے جیل میں احتجاج شروع کر دیا تھا ... معاملے کو سنبھالنے کیلئے مجھے پہلے وہاں جانا پڑا۔"

"کوئی بات نہیں ... یہی بہت ہے کہ آپ ہمارے بلانے پر تشریف لے آئے۔" انسپکٹر جمشید خوشگوار لہجے میں بولے۔ سلمان بختوری نے ڈی آئی جی صاحب کے برابر ایک خالی کرسی سنبھال لی اور انسپکٹر جمشید طویل سانس لے کر پھر شروع ہوئے:

"اور اگر میں یہ کہوں کہ اس کیس میں ایک نہیں بلکہ تین بڑے مجرم ہیں ... تو غلط نہ ہوگا ..." محمود، فاروق، فرزانہ نے چونک کر اپنے والد کی طرف دیکھا جو ان کی طرف دیکھ کر مسکرا رہے تھے:

"ان تینوں نے مل کر ایک گروہ بنایا .... میرا مطلب ہے کہ

یہ تین پارٹنر تو اوپر تھے لیکن ان کے نیچے کم از کم پچاس افراد کا ایک گینگ تھا ... لیکن یہ کوئی سلطانہ ڈاکو ٹائپ گروہ نہیں تھا ... بلکہ سائنٹفک طریقے کی لوٹ مار کرتا تھا ... ڈاکے تو وہ ڈالا ہی کرتے تھے ... لیکن ان کا اصل کام پلاٹوں اور مکانوں پر قبضے کرنا اور پھر انہیں بیچ ڈالنا تھا ... ان کا طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کو قرض دے کر ان کے گھروں پر قابض ہو جایا کرتے تھے ... لیکن ایسا یہ ہر کسی کے ساتھ نہیں کرتے تھے ... کیونکہ اس طرح یہ بدنام ہو جاتے اور کوئی ان سے قرض لیتا ہی نہیں ... اس لئے انہوں نے لوگوں میں اپنی کمپنی کی اچھی ساکھ قائم رکھی... اپنا کام یہ اسی کاروبار کی آڑ میں کیا کرتے تھے ... یعنی جو گھر ان کے نزدیک قیمتی ہوتا، اس کے رہنے والوں کو چاہے وہ اس گھر میں بطور کرایے دار رہتے آئے ہوں، سبز باغ دکھا کر اسی کرایے کے مکان کو گروی رکھ کر منہ مانگا قرض دے دیا کرتے تھے ...یعنی اتنی بڑی رقم جسے وہ کبھی ادا کرنے کی پوزیشن ہی میں نہ آئیں .... عام سادہ لوح لوگ جن کو ایک بڑی رقم ایک ساتھ مل رہی ہو، وہ پوچھتے تو کیا، سوچنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کرتے تھے کہ کرایے کے مکان کو گروی رکھنے کے عوض کوئی اتنا بڑا قرض کیسے دے سکتا ہے ... اور پھر ایک دن کمپنی کے غنڈے انہیں دھکے مار مار کر گھر سے باہر نکال دیا کرتے تھے ... پھر یہ لوگ اس مکان پر

قبضہ کر کے اس کے جعلی کاغذات بنوا کر اصل مالک مکان پر کیس دائر کر دیتے تھے .... اور اس کو اتنا پریشان کرتے تھے کہ وہ بیچارہ تنگ آ کر اونے پونے دام ان کے ہاتھ اپنا مکان بیچ جایا کرتا تھا۔ ایسے کئی مقدمات آج بھی عدالتوں میں چل رہے ہیں ... اور اصل مالکان جان اور عزت کے خوف سے عدالتوں میں اپنے کیسوں کی پیروی سے بھی ڈرتے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ روپوش ہو جانے پر بھی مجبور ہیں، اور اس کارروائی کا نگران ہے تین کے اس ٹولے کا ایک پارٹنر... سکندر بخت ...''

یہ سنتے ہی سکندر بخت نے اپنی کرسی سے اٹھنے کی کوشش کی مگر اس کے پیچھے کھڑے اکرام کی ٹیم کے کمانڈو نے اس کے کندھوں پر دباؤ دے کر اسے کرسی میں دھنسے رہنے پر مجبور کر دیا ... وہ کسمسا کر رہ گیا ...

''سکندر بخت کا کام تھا قرض دینا... یہ راغب کارپوریشن کا جنرل منیجر نہیں بلکہ اصل مالک ہے ... دوسرے پارٹنر کا کام تھا لوگوں کو ڈرا دھمکا کر مکان خالی کروانا اور ان کے مکانات کو قانونی چکروں میں پھنسے بغیر بیچ دینا .... اس کام کیلئے ایک نہیں دو کمپنیاں بنائی گئیں .... ایک نیشنل بلڈرز اور دوسری ... کیمرا پراپرٹیز ...''

اب باری تھی صابر کیمرا کے ایک بار پھر اچھل پڑنے کی ...

لیکن اس کا بھی وہی حشر ہوا جو سکندر بخت کا ہو چکا تھا ... فرق صرف اتنا تھا کہ اس کی زبان نے زہر اگلنا شروع کر دیا:

''تم مجھ پر بہت گھناؤنا الزام لگا رہے ہو ... جانتے نہیں ہو تم کہ میں کتنی طاقت رکھتا ہوں ... نیشنل اسٹار پارٹی کا وائس چیئرمین ہوں میں ... حکومت بدل جائے گی اگر تم نے مجھ پر ہاتھ ڈالا ... میری پارٹی کی حمایت کے سہارے کھڑی ہوئی ہے یہ حکومت ... اور یہاں بلا کر تم میرے خلاف لغو اور بے بنیاد الزام لگا رہے ہو ....'' وہ اب بھی نہ چپ ہوتا اگر غصے کی زیادتی کے سبب اس کے منہ سے جھاگ نہ اُبل پڑے ہوتے۔

لیکن انسپکٹر جمشید پر شاید اس کی بکواس کا کوئی اثر نہ ہوا ... اسی پرسکون انداز میں انہوں نے اپنا بیان جاری رکھا:

''ہاں تو ... جب نیشنل بلڈرز اور کیمرا پراپرٹیز کے بینک اکاؤنٹس کی ہم نے جانچ پڑتال کی تو ہمیں معلوم ہوا کہ ان دونوں اداروں کے بینک اکاؤنٹس میں جو چیک جمع ہوتے رہے ... ان کی رسیدوں یا pay-in-slips پر موجود تحریر ایک ہی شخص کی ہے ... یعنی دونوں کمپنیوں کی بینک رسیدیں ایک ہی شخص کے ہاتھ سے لکھی گئی ہیں ... یہ ایک چونکا دینے والی بات تھی بلکہ یہ ثابت کرنے کیلئے کافی تھی

کہ دونوں اداروں کا آپس میں بہت گہرا تعلق ہے ... اور یہ شخص تھا صابر کیمرا کا جنرل منیجر مسعود کھوسہ ... اور صابر کیمرا ... تمہیں یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مسعود کھوسہ اس کیس میں وعدہ معاف گواہ بننے پر راضی ہو چکا ہے ...''

یہ سن کر صابر کیمرا کا چہرہ دودھ کی طرح سفید پڑ گیا ... یوں لگا جیسے جان نکل گئی ہو ...

''اب آتے ہیں تیسرے پارٹنر کی طرف ... جس کے بارے میں یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ ... جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے ... اس کا کام تھا پہلے دو کاموں کیلئے غنڈوں کی فراہمی ... ان ہی غنڈے چاند گروہ کیلئے بھی کام کرتے تھے ... بلکہ چاند گروہ کی بھتہ خوری، لوٹ مار اور ڈکیتیوں کی وارداتیں ہی ان کیلئے باقی دو مفت کے کام کرنے کی تنخواہ کا ذریعہ تھیں ... باقی دونوں کاموں کے سلسلے میں انہیں کوئی معاوضہ نہیں ملا کرتا تھا ...''

''لیکن جمشید! چاند گروہ تو پورا کا پورا تمہارے ساتھ اس روز مقابلے میں ختم ہو گیا تھا ... بلکہ ان کا چیف چاند بھی ...'' آئی جی صاحب نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''نہیں سر! چاند گروہ تو دس سال پہلے ہی ختم ہو گیا تھا

... رہا سوال چاند کا ... تو کھارا ڈونی ہمیں بتا چکا تھا کہ چاند کوئی نام نہیں بلکہ اس گروہ کے نائب چیف کو چاند کہا جاتا تھا ... اور اب ہم یہ اچھی طرح جان چکے ہیں کہ چاند کے اوپر بھی کوئی ہے ...''

''مریخ!'' فاروق کے منہ سے بے اختیار نکلا اور سب بے ساختہ ہنس پڑے ... سوائے تین کے ... سکندر بخت اور صابر کیمرا تو ہنسنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھے ... ان دو کے علاوہ بس ایک شخص اور تھا جو شاید ضرورت سے زیادہ ہی سنجیدہ تھا یا اس کا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا ... یہ بات محمود، فاروق، فرزانہ نے بھی محسوس کی:

''تو پھر وہ کون تھے جن سے اس روز مقابلہ ہوا تھا ...''

''جیل کے قیدی ...''

''کیا ... کیا ... یہ کیسے ممکن ہے ...''

''جی ہاں سر! وہ بیچارے تو جیل کے قیدی تھے ... جن کو جیل سے نکلوا کر ایک نیا چاند گروہ ترتیب دیا گیا تھا ... اس نئے چاند گروہ کا پرانے چاند گروہ سے دور کا بھی تعلق نہ تھا ... رہا یہ سوال کہ چاند گروہ کا ہی نام کیوں استعمال کیا گیا ... تو صرف اس لئے کہ چاند گروہ کی دہشت آج بھی لوگوں کے دلوں میں قائم ہے ... آج بھی جب چاند گروہ کی جانب سے فون یا خط کے ذریعے تاجروں اور صنعتکاروں سے

رقم طلب کی جاتی ہے اور نہ دینے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکی
دی جاتی تھی تو صرف چاند گروہ کا نام سن کر ہی لوگ بے چوں و چرا
رقم ادا کر دیا کرتے ہیں...''

''تم نے کہا جمشید کہ چاند گروہ کے افراد دراصل جیل کے
قیدی تھے... بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ جیل کے قیدی جیل میں رہ کر چاند
گروہ میں کام کریں...''

ڈی آئی جی صاحب کا یہ سوال سن کر انسپکٹر جمشید مسکرائے...
پھر ان کے منہ سے نکلا:

''سر! یہ سوال میرے لئے بھی بے حد پریشان کن رہا... ایسا
کیونکر ہو رہا تھا اور اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا... کیونکہ جیل سے
قیدیوں کو باہر لے کر جانا اور پھر کارروائیوں کے بعد روزانہ واپس لے
کر آنا... بغیر نظروں میں آئے بغیر ناممکن تھا.... لہذا میں نے اس
معاملے کی گہری چھان بین کی... اس روز ہمارے ساتھ مقابلے میں
ہلاک ہونے والے اکثر مجرموں کو اکرام پہچانتا تھا اور ان میں سے کئی تو
ایسے بھی تھے جو اکرام کے ہاتھوں گرفتار ہو کر جیل گئے تھے... تو پھر یہ
کیسے ممکن تھا کہ جیل کے اعلیٰ افسران کو ان کی جیل میں عدم موجودگی کی
خبر تک نہ ہو... اس سلسلے میں جب ہم نے جیل ریکارڈ چیک کیا تو ایک

انتہائی حیرت انگیز اور سنسنی خیز بات سامنے آئی...'' یہاں تک کہہ کر وہ
رک گئے۔

''یار جمشید... سسپنس سے ہم سب کا برا حال ہے... یہ بار
بار بریک نہ لگایا کرو...'' آئی جی صاحب بچوں کی طرح جھنجھلا اٹھے...
ان کے اس طرح جھنجھلا جانے پر سب ہی مسکرا پڑے۔

''اوہ معاف کیجئے گا سر!... حیرت انگیز اور سنسنی خیز بات
جو سامنے آئی... وہ یہ تھی کہ جیل میں ایک بھی قیدی کم نہیں تھا...''

''کیا... کیا... یہ کیسے ممکن ہے... یہ کیسے ہو سکتا ہے...''
حیرت اور بے یقینی میں ڈوبی کئی آوازیں ابھریں۔

''ہر طرف سے چھان پھٹک کے بعد ہم بھی اسی نتیجے پر پہنچے
تھے کہ یہ صرف ایک ہی طرح سے ممکن ہے کہ اصل قیدیوں کی جگہ نقلی
قیدی رکھ دیئے جائیں... اور جب ہم نے ایک ایک کر کے ان قیدیوں
سے پوچھ گچھ شروع کی جن کے بارے میں میرے اسسٹنٹ اکرام کو
یقین تھا کہ وہ نقلی ہیں تو ان میں سے اکثر نے قبول کرنے میں دیر نہ
لگائی کہ ہیروئن کے نشے کے عادی ان بیچاروں کو روزانہ ہیروئن کے
ایک عدد انجکشن کے بدلے جیل میں رہنے پر آمادہ کر لیا گیا تھا... جبکہ
اصل قیدی جیل سے باہر نام نہاد چاند گروہ کے نام پر لوٹ مار اور بھتہ

خوری کرتے اور ساتھ ہی ساتھ راف کارپوریشن کے ناد ہندگان کو مار پیٹ کر گھروں سے نکال کر مکانوں پر قبضے کرتے پھر رہے تھے... تو کیا یہ ممکن تھا کہ جیل سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اپنی ناک کے نیچے ہونے والی ان کارروائیوں کا علم نہ رہا ہو... کیوں سلمان بختوری صاحب..."

"حیرت ہے کمال ہے... اف میرے خدا... میری جیل میں اس قدر گہرا چکر اور مجھے خبر تک نہیں... میں ابھی جیل کے سارے اسٹاف کی معطلی کے احکامات جاری کرتا ہوں..." یہ کہہ کر اس نے جیب کی طرف ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ انسپکٹر جمشید اپنی جگہ سے اچھلے اور سلمان بختوری پر جا پڑے... وہ اپنی کرسی سمیت پیچھے الٹ گیا... ساتھ ہی فائر کی آواز کمرے میں گونجی... ساتھ ہی سلمان بختوری کے منہ سے زہریلا قہقہہ بلند ہوا... سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا... وہ اسپرنگ کی طرح اچھل کر کھڑا ہو چکا تھا... اس کے دونوں ہاتھوں میں پستول تھے... اور وہ کہہ رہا تھا:

"تم لوگ کیا سمجھے تھے کہ میں جو اتنا زبردست منصوبہ ساز ہوں... آسانی سے تمہارے قابو میں آجاؤں گا... اور تم صابر کیرا اور سکندر بخت تم بھی... زرے گاؤدی نکلے... ہاں میں ہوں اس دنیا کا سب سے عظیم دماغ... ہاں میں ہوں اس سارے کھیل کا اصل ماسٹر

مائنڈ... اور اب میں جا رہا ہوں... کوئی میرے راستے میں آنے کی کوشش نہ کرے... ورنہ میرا نشانہ تو تم لوگ دیکھ ہی چکے ہو..." اتنا کہہ کر وہ الٹے پاؤں دروازے کی طرف بڑھا... اور پھر نہ جانے کیا ہوا... پہلے اس کا توازن بگڑا... پستول والے ہاتھ فضا میں لہرائے اور وہ پھسلتا ہوا چاروں شانے چت دھڑام سے ماربل کے پالش ہوئے فرش پر گر پڑا... ساتھ ہی اس کا سر فرش سے جا ٹکرایا... دونوں پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نہ جانے کس میز کے نیچے جا گھسے

"یہ ناریل ٹوٹنے کی آواز کہاں سے آئی... تم نے کچھ سنا فرزانہ..." فاروق کی چہکتی ہوئی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

"آواز تو خیر ہم سب نے سنی ہے... فرق صرف اتنا ہے کہ تم اس ناریل کا پانی نہیں پی سکو گے... یہ اور بات ہے کہ یہ بیچارہ ٹوٹا... پانی کی وجہ سے ہے..."

دوسری طرف انسپکٹر جمشید اور چاروں کمانڈوز زمین سے اٹھ رہے تھے... انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر فرزانہ کی طرف دیکھا اور بولے:

"ویل ڈن فرزانہ! تمہاری اس چکنے فرش پر پانی گرانے کی ترکیب کارگر رہی... خیر! بچ تو یہ ویسے بھی نہیں سکتا تھا... کیونکہ باہر اس کا استقبال کرنے کیلئے فورس پہلے ہی موجود تھی... ہم اس کا جرم خود

اس کے منہ سے قبول کروانا چاہتے تھے اور اس میں کامیاب بھی رہے... یہاں آنے سے پہلے یہ اس لئے جیل نہیں گیا تھا کہ وہاں قیدیوں کا کوئی احتجاج چل رہا تھا... بلکہ ریکارڈ روم کو آگ لگانے گیا تھا... کہ تمام قیدیوں کا سارا ریکارڈ تباہ کر سکے... لیکن اس کو پتا ہی نہ چلا کہ سارا ریکارڈ تو ہم پہلے ہی وہاں سے ہٹا چکے تھے... تو بس جلے ہوں گے... غیر اہم کاغذات..."

☆☆☆☆☆

کیس کا سہرا

کیس ختم ہو چکا تھا.... دو گھنٹے بعد وہ اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے... ایک بار پھر تینوں نے ان سے تابڑ توڑ سوالات شروع کر دیئے:

"اگر یہ تینوں عدالت میں اپنے جرائم سے انکار کر دیں تو..." محمود نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو... اس بار ہمارے پاس دستاویزی ثبوتوں کا اتنا بڑا اسٹاک ہے کہ شاید ہی کسی کیس میں رہا ہوگا۔"

"اور اگر صابر کیرا سیاسی اثر و رسوخ استعمال کرنے میں کامیاب ہو گیا تو..."

"دیکھا جائے گا..." انسپکٹر جمشید لاپروائی سے بولے۔

"اچھا یہ تو بتائیں کہ شاہ کی والدہ والا مکان تو پہلے ہی صابر کیرا کی ملکیت تھا... تو پھر اسے کیوں خالی کروایا گیا..."

''ہاں! یہ بہت اہم سوال ہے ...اور یہ میں نے مسعود کھوسہ سے بھی پوچھا تھا ... اس نے بتایا تھا کہ ...اور یہاں تک تو تم بھی واقف ہو کہ صابر کیرا کا ادارہ کرائے پر مکان دینے کا کاروبار کرتا تھا اور شاہ کی والدہ نے بھی اسی ادارے سے مکان کرائے پر حاصل کیا تھا...اب یہ اتفاق تھا کہ راغب کارپوریشن نے بھی شاہ کی والدہ کو قرض دے رکھا تھا ...اب جس وقت شاہ کی والدہ قسطیں ادا نہ کر پائیں اور جب سکندر بخت کے سامنے نادہندگی کے اس کیس کی فائل گئی تو اسے علم ہوا کہ یہ مکان تو پہلے ہی صابر کیرا کی ملکیت ہے ...اب مکان پر قبضے کا امکان تو ختم ہوگیا کہ وہ تو پہلے سے ہی اپنا تھا ...سکندر بخت نے صابر کیرا سے بات کی تو وہ بھی یہ سن کر پریشان ہوگیا ... کیونکہ یہ مکان تو کرائے پر دینا ہی نہیں تھا ...دراصل اس کی پچھلی دیوار اور جیل کی بیرونی دیوار میں چند فٹ کا فاصلہ تھا اور کسی خطرے کی صورت میں فرار ہونے کیلئے سلمان بختوری نے جیل سے اس مکان تک ایک سرنگ بنوا چھوڑی تھی ... اس دوران خان رحمان کی مدد سے شاہ کی والدہ نے قرض کی رقم بھی واپس کردی ...لہٰذا مکان خالی کرانے کا جواز بھی ختم ہوگیا... اب کوئی چارہ نہ تھا کہ شاہ کی والدہ کو درخواست کی جائے کہ وہ مکان خالی کردیں ... اس طرح ان کو دوسرے مکان میں منتقل کردیا گیا...''

''اف میرے مالک! کس قدر گھماؤ پھراؤ کیس تھا یہ ... دماغ کی چولیں ہلا گیا...'' فاروق چکرانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے بولا۔

''اگر پورا گروہ ہی جیل کے قیدیوں پر مشتمل تھا تو پھر ندیم زواری اور اس کے چھ ساتھیوں کو جیل سے فرار کروانے کا ڈرامہ کیوں رچایا گیا تھا ... کیا ان کی جگہ بھی نقلی قیدی نہیں رکھے جاسکتے تھے ...'' فرزانہ ایک ہی سانس میں کہتی چلی گئی۔

''دراصل وہ کچھ زیادہ مشہور ہوگئے تھے ... گرفتاری کے وقت اخباروں میں ان کی تصویریں بھی شائع ہو چکی تھیں ...لہٰذا ان کی جگہ نقلی قیدی رکھے جانے کی صورت میں بھانڈا پھوٹنے کا خطرہ زیادہ تھا۔''

''اور کیا ان کا کچھ پتا چلا جو شاہ کی والدہ سے مکان خالی کروانے آئے تھے۔''

''ان کو تو سکندر بخت نے خود ہی ادھر ادھر ہوجانے کا مشورہ دیا ہوگا...''

''تو کیا ندیم زواری اور اس کے ساتھیوں کو صابر کیرا نے اسی لئے سینے میں گولیاں ماری تھیں کہ وہ اس کا راز فاش نہ کردیں...''

''ان بچاروں کے تو فرشتوں کو بھی علم نہ تھا کہ صابر کیرا کا راز کیا ہے ...البتہ اس نے باقاعدہ ہلاک کرنے کی نیت سے ہی ان پر

فائر کے ... کیونکہ اس کو فکر یہ پڑ گئی تھی کہ اگر عدیم زواری نے تم لوگوں کو قتل کر دیا تو اس کی کوٹھی پوری طرح پولیس کی نظر میں آجائے گی ... اور انہیں گرفتار کر لیا جائے گا ..... ان کی ساری زندگی کھنگالی جائے گی ... اور ان سے کچھ ایسی باتیں معلوم ہوں گی کہ پولیس چاند گروپ کی جڑ تک پہنچ جائے گی ... کیونکہ یہ چاند گروپ کے اہم لوگ تھے ... اسی لیے اس نے انہیں اپنے چیف صابر کیرا کی کوٹھی میں ملازمت کرنے کی ہدایات دی تھیں... ان کے جیل سے فرار ہوتے ہی اس نے اپنے ملازمین کو فارغ کر دیا تھا اور اخبار میں اشتہار دے دیا تھا... یہ تو دوسروں کو مطمئن کرنے کے لیے تھا ... ورنہ انہیں تو وہ دو دن پہلے ہی ملازم رکھ چکا تھا ... کیونکہ گروہ کے کرتا دھرتا کی حیثیت سے انہیں وہ یہ ہدایات دے چکا تھا کہ ان لوگوں کو صابر کیرا کے گھر میں ملازمت کرنی ہے اور نام بدل کر وہاں رہنا ہے ... ان بے چاروں کو کیا معلوم تھا کہ وہ خود اپنے ہی چیف کے گھر میں ملازمت کر رہے ہیں۔"

"آپ نے بتایا نہیں کہ اس رات گھوڑے پر کون تھا ... جس کے پیچھے آپ دوڑے تھے اور اسے گھر پر لاد کر لائے تھے۔"

"وہ بیدار بخت تھا ... سکندر بخت کا بھائی اور نیشنل پلازز کا مالک۔"

"تو آپ نے اسے آج سب کے سامنے ظاہر کیوں نہیں کیا؟"

"اس لئے کہ ابھی اس سے مزید انکشافات کی توقع ہے ... ممکن ہے کچھ اور بڑی مچھلیوں پر بھی ہاتھ ڈالنا پڑ جائے ..."

"لیکن وہ گھوڑے پر کیوں آیا تھا ... کیا خود کو کاؤ بوائے قسم کی کوئی چیز سمجھتا ہے ..."

"وہ بے حد ہوشیار آدمی ہے ... جی پی ایس اور لیزر ٹاپ جیسی ڈیکٹروں کی پہنچ سے خود کو دور رکھنے کیلئے جنگلوں اور ویرانوں میں گھوڑوں پر ہی سفر کرتا ہے ... اسی لئے اب تک انٹیلیجنس اس تک نہیں پہنچ پائی ... وہ تو اس کی بدقسمتی تھی کہ اس روز ہم سے اس کا واسطہ پڑ گیا ... اور پکڑا گیا۔"

"چلیں اچھا ہوا ... یہ کیس بھی بخیر و خوبی اپنے انجام کو پہنچا۔" محمود کے منہ سے نکلا۔

اس وقت انسپکٹر جمشید نے کہا:

"میں اس کیس کا سہرا فاروق کے سر باندھتا ہوں... کیونکہ جنگل میں اس کی ترکیب کارگر رہی ... ورنہ ہم سب تو اسی روز مارے گئے تھے۔"

فرزانہ اور محمود نے فاروق کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

شروع کر دیا...

دوسری طرف فاروق کے چہرے پر اس وقت جو مسکراہٹ طاری تھی... اس سے جلتی پر تیل والا محاورہ سچ ثابت ہو رہا تھا۔

ان کی جیپ تیزی سے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

آئندہ ناول کی ایک جھلک

جیرال نمبر تین

مصنف: اشتیاق احمد

- ایک بار پھر جیرال سے ملیے۔
- رفعت کو فرش پر کیا چیز نظر آئی تھی۔
- سالہا سال پہلے کا موت کا جزیرہ ایک بار پھر سب کا مرکز۔
- اسد صدیقی کون تھا... اس نے مشتاق احمد خان سے ملاقات کیوں کی تھی۔ یہ بات آپ ناول کے آخری حصے سے پہلے نہیں جان سکیں گے۔
- شوکی برادرز سے شروع ہونے والا یہ ناول انسپکٹر کامران مرزا تک کیسے پہنچا اور وہاں سے انسپکٹر جمشید کی طرف کیسے آیا۔
- جیرال تو انسپکٹر جمشید کے ہاتھوں مارا گیا تھا... تب پھر کیا وہ کوئی جعلی
- جی نہیں... وہ سو فیصد جیرال تھا۔
- جیرال کے مقابلے میں جب انہیں جنگ لڑنا پڑی۔
- انہیں واقعی پسینہ آ گیا۔
- جیرال سے مقابلہ آسان نہیں تھا۔